ماہتاک

سنگت

کوئٹہ

AUGUST 2023

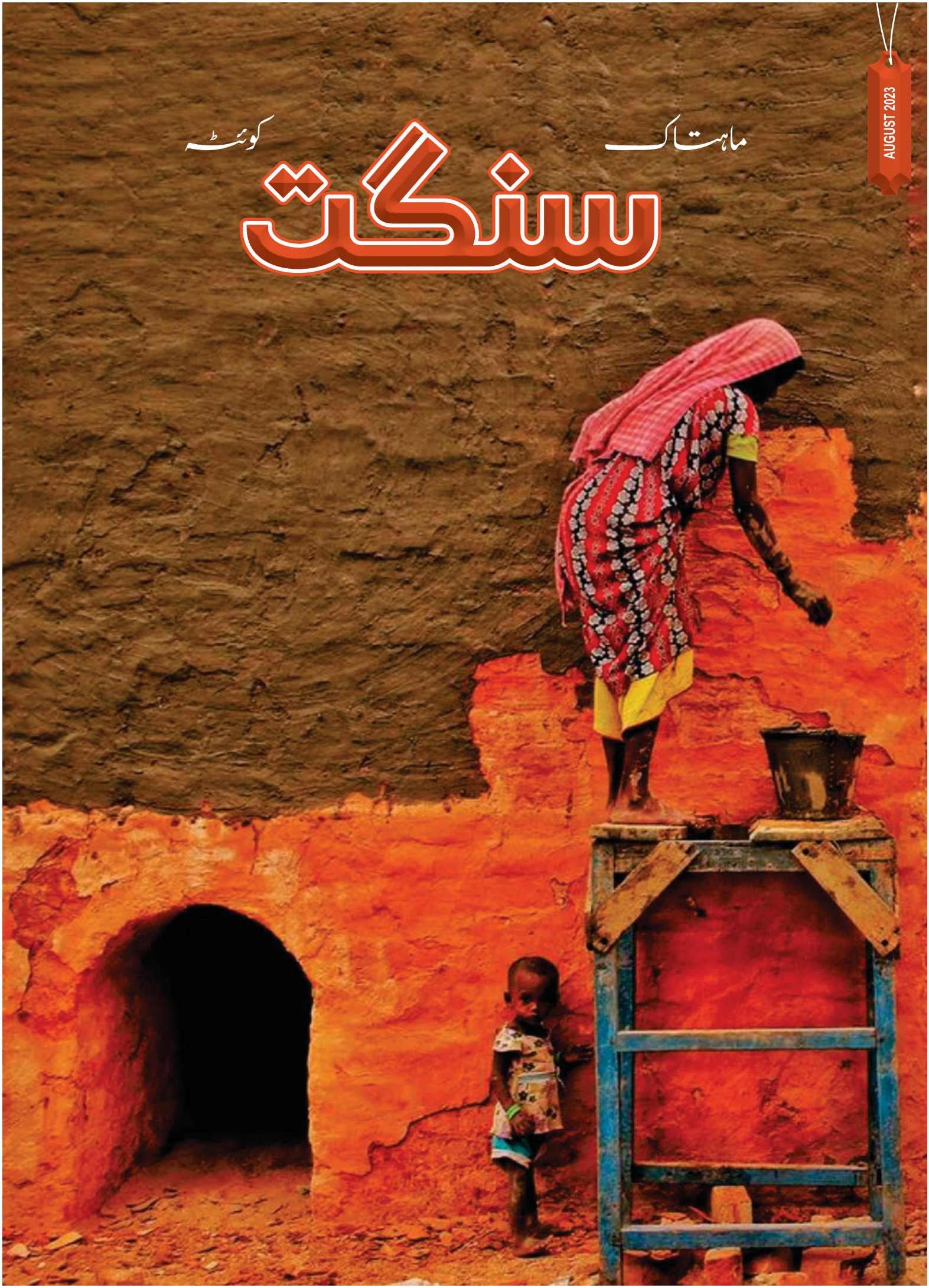

ڈولکُو

دانش داغ

ترا کہ مدّ تے ءَ پدمن دیستگ ات
تہ واہگانی پُل دراہیں مُرتگاں
لَگُشتگاں تماہ ءِ چہر سرجمیں
طلب، وفا، ھیال، لحاظ
درانہ بنت پہ ساہتے
ایوہدءَ بارداتگ اَنت
یا
زرّ ءِ گرمیں چکّر ءَ
بدل کت انت تئی سینگ ءِ آلہڑ و جوش سرجمیں
نگاہ ءِ مہر سرجمیں
وفا ءِ عہد سرجمیں

آنیم پچّمی چارگانی شہد شکُون دیم اتنت
گباراں مانرُ پتنگ ات لبانی پُل سر پتگیں
دلانی ھُل سرجمیں!
ترا کہ مُدّ تے ءَ پدمن دیستگ ات
تہ دیستگ ات
تئی مہر و عشق و آشکی
گبارے ات کہ دنزاں گار بوت
شموشگانی جنگل ءَ حصار بوت
بلئے منی تلاریں واہگانی بند محکم انت
ترا چو ڈولکُو نہ انت
کہ چار پُلّ ءِ گندگ ءَ حوس کنت

مسلسل ماھانہ اشاعت کا 26 واں سال

Reg No. DCS-6

ماہتاک

سنگت

کوئٹہ

VOL 26
JULY 2023
NO. 08

ایڈیٹر شاہ محمد مری

قیمت 100 روپے
زرسالانہ 1200 روپے
ISSN-2520-4070

اعزازی نمائندے

اسلام آباد : صنوبر الطاف 03340551255

کراچی لیاری : عیسیٰ بلوچ 03222609415

کراچی صدر : نواز بلوچ 03357466580

جھٹ پٹ : سلام کھوسہ 03344666876

ساھیوال : زکریا خان 03006931011

پرنٹر
صادق پرنٹنگ پریس کوئٹہ

081-2827968 shahmuhammadmir5@gmail.com www.sangataacademy.net
Marri Lab Dr Sher Muhammad Road Quetta

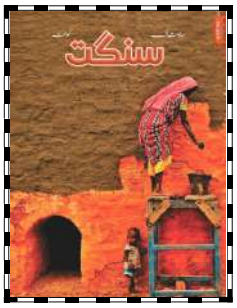

SHONGAAL

3	عوام کا مستقبل

POHOZAANT

ہژدمی برومیئر	کارل مارکس/شاہ محمد مری	5
شعوری وفکری جمود	اسعد الرحمٰن بشیر	8
ہسٹری لافانفرئے کرد	جارجی پلیخانوف	9
کیا آزادی کا کوئی وجود ہوتا ہے!	مریم ارشد	11
چل اڑ جارے پنچھی	ڈاکٹر عطاء اللہ بزنجو	13
موہل رانڑو	شیخ ایاز/شاہ محمد	15
میراجی کی شاعری	مدیحہ لشاری	18
صاحب نظرے پیدا شُد	شاہ محمد مری	20
جارجی دیمتروف	شاہ محمد مری	22
توکلی مست سے متعلق عوامی قصّے	محمد سراج مسوری بگٹی	26
کلامِ اقبال	شاہ محمد مری	28

KISSA

لاچاری	موپساں/دانش داغ	36
نئی زبان	راشد جاوید احمد	39
چنکے ناہ	الطیب صالح/چندن ساج	41
کرسمس کے وقت	چیخوف/عقیلہ منصور جدون	44
تیرہ تالیاں	خالد کنبھار/ننگر چنا	47

SHERAANI RALI

دانش داغ	--
گل خان نصیر	7
نسیم سید	19
میر ساگر	27
نوشین قمبرانی	32

KITAB PACHAAR

بیتے پل کی کہانی---!"	جاوید اقبال	32
مست توکلی	ڈاکٹر حسن خان	33

HAAL HAWAAL

سنگت پوہ زانت	عابدہ رحمٰن	34
بلوچستان سنڈے پارٹی	جمیل بزدار	35

عوام کا مستقبل

جب سے غریبوں کی دنیا پر امیروں کا قبضہ ہوگیا تب سے اس قبضہ کو چھڑانے کی جنگ جاری ہے۔کبھی قبضہ گر جیت جاتا ہے اور کبھی کبھی غریب اپنی آزادی چھیننے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔اس جاری وساری خونیں اور تباہی بھری جنگ میں کسی ایک فریق کی مکمل اور حتمی تباہی سے پہلے کوئی مستقل جنگ بندی، کوئی مصالحت ممکن نہیں۔اس لیے کہ غریب کی بدحالی پہ تو امیر کی حسرتیں پلتی ہیں۔وہ اپنی ان مسرتوں کی سپلائی کے دوام کے لیے ایٹم بم تک استعمال کرنے میں بھی پس وپیش نہیں کرتا۔

دنیا بھر میں بالعموم، مگر پاکستان میں بالخصوص غریب کا مستقبل بہت تاریک اور مایوس کن لگتا ہے۔یہاں ورکنگ کلاس، محکوم قومیں اور عورتیں ہر طرح سے لاچار اور بے بس ہیں۔اُن کے سارے معاشی اور سیاسی حقوق چھین لیے گئے ہیں۔ایسا لگتا ہے کہ اگلی بے انصاف دَہائی میں بھی ان کے لیے خیر موجود ہی نہیں ہوگی۔

مقامی جاگیردار سے لے کر یورپی آئی ایم ایف تک دنیا جہاں کے سارے جن، بھوت اور بلاؤں نے مل کر غریب کے خلاف ایک وسیع معاشی، فوجی، سیاسی، تنظیمی اور نظریاتی محاذ قائم کر رکھا ہے۔اس سلسلے میں ایک تیسرا حقیر اور بے کار طبقہ (یا سٹریٹم) یعنی مڈل کلاس امیر طبقے کی زبردست مدد کرتا ہے۔یہ مڈل کلاس امیر وغریب کے متحارب ومتصادم ومخاصم طبقات کے معاشی سیاسی اور نظریاتی موقفوں کا ایک ملغوبہ بناتا رہتا ہے۔مڈل کلاس امیر طبقے سے قبضہ چھڑائے بغیر امن قائم کرنا چاہتا ہے۔بنیادی بات طے کیے بنا کبھی انسانی حقوق، آزادانہ الیکشنز، آزاد خارجہ پالیسی، ٹریڈ یونین حقوق حتی کہ عورتوں اور قوموں کے حقوق کے لیے کھوکھلی نعرے بازیاں کرتا رہتا ہے۔

پاکستان، بالخصوص اس کے بڑے صوبے کی مڈل کلاس اچھا خاصا بڑا طبقہ ہے۔یہ طبقہ یونیورسٹیوں کالجوں سکولوں کے ٹیچرز، سٹوڈنٹس، سابقہ اور موجودہ سول ملٹری اور جوڈیشل آفیسرز، شہری صنعتکار اور رئیل سٹیٹ اور میڈیا ٹائکون بنے ہوئے فیوڈلز، بڑے بزنس من اور چھوٹے دکانداروں، شاعروں، ادیبوں اور دانشور، فلم اور موسیقی سے متعلق لوگوں، اور سابق وموجود پارلیمان والوں پہ مشتمل ہے۔

یہ درمیانہ طبقہ مین سٹریم سیاست کے بارے میں نفرت کی حد تک ایک ناپسندیدگی کا رویہ رکھتا ہے۔

یہ لوگ آکسفرڈ سے پڑھے ہوئے بھی ہوں گے، یا پھر ٹکنالوجی بالخصوص انفارمیشن ٹکنالوجی کے استعمال میں اچھے خاصے ماہر بھی ہوں گے، یہ دنیا بھر میں گھومے ہوں گے۔مگر ان میں کامن بات یہ ہے کہ یہ انٹی ویسٹ جذبات رکھتے ہیں۔اور اُن کا یہ انٹی ویسٹ رویہ ہمیشہ مذہبی حوالے سے ہوتا ہے۔

اس مڈل کلاس کے لوگوں کو خمینی اچھا لگتا ہے، طالبان اچھے لگتے ہیں۔مگر یہ بیک وقت ملک کو سکنڈ نیو یائی ویلفیر ریاست بھی بنانا چاہتے ہیں، اور برطانوی نظامِ عدل وپارلیمنٹ بھی قائم کرنا چاہتے ہیں۔۔۔مگر چوک میں ہزاروں لوگوں کو سرِعام پھانسیاں بھی دینا چاہتے ہیں۔

اس مڈل کلاس کے ہاں دنیا کی تاریخ محمد بن قاسم سے شروع اور ''قیام پاکستان'' پہ ختم ہوتی ہے۔ان کی شناخت ''مسلم امہ'' ہے۔وہ اس شناخت کے علاوہ کچھ تصور ہی نہیں کر سکتے۔

اور اگر کوئی اُن کی اِس شناخت پہ سوال اٹھائے تو یہ اپنی شناخت کو مزید کنفیوژنی میدان میں لا کھڑا کریں گے اور کہیں گے: میری شناخت ''انسان ہے''۔ اُن کی نظر میں دیگر سارے شناخت کے معیارات بالخصوص سندھی، بلوچ اور پشتون جیسے الفاظ پیدائشی تعصّبات والے لفظ ہوتے ہیں۔وہ اِس شناخت کو علاقائی تعصّبات کہیں گے، قومی تعصّبات کہیں گے، صوبہ پرستی کہیں گے۔۔۔حتی کہ نسلی تعصّبات کہیں گے۔اور اس تعصب کے خلاف تن من دھن سے لڑیں گے۔

یہ اپنی زبان نہیں بولتے، انہیں اپنے کلچر سے نفرت ہے۔اسی لیے وہ لفاظیاں کرنے کے باوجود دوسری ساری قومی زبانوں اور قومی کلچرز کی اہمیت کے منکر رہتے ہیں۔انہیں سرسید اور اردو بہت اچھا لگتے ہیں۔انگلش تو غصے کے وقت اگلتے ہیں۔چنانچہ انہیں شناخت کا شدید معاملہ درپیش ہے۔اگر خود کو امت مسلمہ یا انسان کے بجائے کچھ اور کہیں گے تو پھر سو سال کی اُن کی ساری مسلط کردہ تاریخ، ساری خونریزیاں باطل ثابت ہوں گی حتی کہ اُن کا حالیہ وجود بے معنی ہوکر رہ جائے

گا۔اس لیے محفوظ بات مذہبی شناخت کی رہ جاتی ہے۔اور وہ بھی محدود پیمانے کی نہیں بلکہ بین الاقوامی لیول کی مذہبی شناخت۔اُن کے مسلم امہ کے اندر بادشاہ،خلیفہ، شیخ،اور مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے بیچ کوئی امتیاز موجود نہیں ہوتا۔حکمران خواہ شیطان کیوں نہ ہو وہ ''اسلامی دنیا'' اور ''مسلم امہ'' کا حصہ ہوتا ہے۔

اُن کی زندگی جدید ترین سہولیات سے مزین ہوتی ہے مگر ذہن بچھڑ کر کہیں پیچھے رہ گیا ہوتا ہے۔تجلی،آفاق، جہاد، جذبہ، کاشغر، خلافت، شمشیر، چھا جاؤ، اور جھنڈے گاڑ دینا جیسے الفاظ وہ محض لفاظی میں نہیں کہتے بلکہ وہ ایمانداری سے اِن پہ یقین بھی رکھتے ہیں۔اقبال، نسیم حجازی، غامدی، نائک اِن کے علمی قائدین ہیں۔اور عمران خان و نواز شریف سیاسی لیڈرز۔ اُن کی سوچ سے باہر کا ہر شخص کسی نہ کسی مخالف ملک کا ایجنٹ ہے۔وہ اپنے مخالفین کے چہروں سے نور کے پرواز کر جانے پہ خصوصی نگاہ رکھتے ہیں۔

مگر موقع ملے تو یونیورسٹیوں کے یہ اخلاق تافتہ پروفیسر اپنا ایمان، بڑھاپا اور علمیت اپنی گرلز سٹوڈنٹس کی بلیک میلنگ اور اخلاق باختگی میں سرشاری سے جھونک دیتے ہیں۔لولاک بھر میں اخلاق اخلاق جپتے رہنے کے لیے جماعتیں بھیجتے رہیں گے مگر جونہی موقع ملا تو وہ یہ اخلاق شہر، محلے، گاؤں میں ننھے بچوں کے ساتھ زنا کی صورت ظاہر کرتے ہیں۔

ان کے ایمان کو عورت سے سخت خطرہ ہے۔جینڈر معاملے کو وہ اکیسویں صدی میں بھی فیوڈل عینک سے دیکھتے ہیں۔اُن کا جلندھری ضیاء الحق ٹی وی پر خبریں پڑھنے والی خواتین کے لیے لباس طے کرتا تھا۔

اس کلاس کے لوگ سماجی معاشی معاملات میں کسی بھی بددیانتی کی بلند ترین چوٹی سر کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔یہ لوگ کمیشن، اور کک بیک کو بالکل برا نہیں سمجھتے۔بڑے بڑے وکیلوں کے ذریعے ٹیکس چوری کرتے ہیں۔بجلی کا میٹر بند رکھتے ہیں۔اور یہ سب کچھ کرتے رہنے کے باوجود انہیں شکوہ ہوتا ہے کہ یہ ملک اسلاف کے فرمانوں پہ نہیں چل رہا۔اور ایک خمینی آئے سب چوروں ڈاکوؤں کو پھانسی چڑھائے تو ملک ٹھیک ہو جائے گا'' کا فقرہ جپتے رہیں گے۔

اُن کی سیاسی وابستگی کہیں سے بھی ہو،مگر وہ بنیادی طور پر جہادی کلاس ہے ، یہ ناقابلِ یقین تشدد کے بعد زندہ جلا دینے پہ فخر محسوس کرتے ہیں۔

یہ اپنے نظریات پہ نہایت جذباتی انداز کی وابستگی رکھتے ہیں۔خود عمل کریں گے یا نہیں مگر چیچنیا سے نیل دریا تک اپنے خیالات لاگو کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔اس طبقہ سے وابستہ لوگ خود کو اصلی سمجھتے ہوئے، اور سارے اہم مکاتیبِ فکر کے ہیڈ کوارٹر اپنے پاس رکھتے ہوئے، دوسری جگہوں کو محض اپنی ذیلی شاخیں کھولنے جتنی اہمیت دیں گے۔یہ کچھ بھی کہیں دو قومی نظریہ سے ذہنی چھٹکارہ پانے سے قاصر ہیں۔

ان کا دیانتداری سے ایمان ہے کہ وہ ایک عظیم پراجیکٹ کی تکمیل کے لیے دنیا میں لائے گئے ہیں۔اس لیے ان کا ہر چھوٹا بڑا اقدام اُسی پراجیکٹ کا حصہ ہوتا ہے۔ان کے خیال میں ان کا یہ عظیم پراجیکٹ مقامی نہیں، اور نہ ہی علاقائی ہے۔یہ تو انٹرنیشنل پراجیکٹ ہے جو آسمانوں کی رضا ہے۔اُس رضا کے لیے سب کچھ قربان۔یہ لوگ محض ایک بڑے پیر کی کرامت کے زور پہ سوویت یونین کو صفحۂ ہستی سے مٹائے جانے پہ پختہ عقیدہ رکھتے ہیں۔وہ ''داڑھی رکھیے، کینسر سے بچیے'' جیسے نعروں کے موجد ہیں۔ان کا ایک سب سے بڑا آئیڈیل اور مقبول وزیراعظم پرائم منسٹر ہاؤس میں جادو ٹونہ کا اڈہ قائم کرتا ہے اور ان کا صدرِ مملکت ایوان صدر میں کالے بکرے ذبح کر کے داخل ہوتا ہے۔جب انسان نے چاند پر قدم رکھا تھا (21 جولائی 1969) تو انہی کے طبقے کے بادشاہی مسجد کے خطیب نے فتوی دیا تھا کہ جو اس پر یقین کرے گا اُس کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔نکاح ٹوٹ جانے کے یہ فتوے لگاتار جاری رہے۔افغان انقلاب ہوا تو اُس انقلاب کے حامیوں کے نکاح ٹوٹنے کے باقاعدہ احکامات صادر ہوئے۔عمران خان کے زمانے میں تو سربراہِ مملکت کی طرف سے ایسے فتوے روزانہ سینکڑوں کی تعداد میں اگلے جاتے رہے۔

ان کی نظر میں پاکستان یہاں نہیں بنا، آسمانوں پہ بنا ہے لہذا اس کی حفاظت آسمانی خوشنودی ہوگی۔یہ پاکستان کو ایک رکھنے میں ہر قربانی دیں گے، بجز اپنے استحصال کی قربانی کے۔سی پیک گوادر کے نام پہ بناتے ہیں مگر اُس کے سارے پیسے گوادر والے صوبے سے باہر لگا لیتے ہیں۔وہ گوادر کو بلوچوں کا نہیں کسی ''نون'' کا سمجھتے ہیں۔وہ انصار بننے کے لیے ہمہ وقت تیار ہیں۔شرط یہ کہ مہاجرین اِن کے گھر سے سینکڑوں ہزاروں میل دور جا کر آباد ہوں۔تب یہ اپنا لیب ٹاپ کندھے پر رکھ کر انصار والا کام کرتے ہیں۔ظاہر ہے لیب ٹاپ انٹرنیشنل ڈونروں سے اچھا خاصا کھینچنے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

جس ملک کی مڈل کلاس اپنی شناخت اپنی قوم کے بجائے ''مسلم امہ'' اور ''انسان'' کے بطور کرتے ہوں تو حتمی بات ہے کہ اُن کی قیادت بہت دیر تک باجوہ ،مشرف، عمران، ملا سراج الحق، فضل الرحمٰن، یا طاہر القادری والا نواز شریف ہی کرے گا۔

ہژدمی برومیئر

کارل مارکس/شاہ محمد مری

بیائیں اغدہ پیراپلّوءَ۔

جون ءِ روشاں ژہ آئین سازیں نیشنل اسمبلی ءِ ہسٹری ’’بورژوازی ءِ رپبلکن فرقہ ءِ بالادستیءُ پرشت و پروش ءِ ہسٹری ایں، ہماں فرقہ ءِ کہ بازیں نام انتی: سہ رنگیں رپبلکن ،سُچا ایں رپبلکن ،سیاسی رپبلکن،او،رسمی ایں رپبلکن‘‘۔وغیرہ وغیرہ۔

لوئی فلپ ءِ بورژوا بادشاہی شیرا ہمے فرقہ ءَ رپبلکن حزبِ اختلاف ٹاہیثغ اث اووثی وخت ءِ سیاسی دنیاءِ یک بھرے ڈولا وثار منینائیثغ اثی۔اسمبلیانی اندرا آنہی مڑدم سانڑی اشنت اوپریس ءَ اندرا کاہریں مزائیں اثرے ٹھیشی اَیشی۔ پیرس ءَ اندرا آنہی اخبار ’’نیشنل‘‘ ءَ قدر ہمکھراث چو کہ ’’جرنل ڈس ڈی ڈالس‘‘ نامیں اخبار ایغث۔آئینی بادشاہی اندرا آنہی ہندءُ حیثیت کہ ٹھیثغ اث آں بالکل آنہی کیریکٹر ءِ ڈولا ایث۔ اے بورژوازی ءِ یک ہمنگیں ٹولی اے نہ ایث کہ شریخیں کٹاں اوارکثغ اث ،یا‘ پیداوار ءِ خاصیں حالتاں کڑوکثغ اث ۔اے تہ ہمنگیں ٹولی اے اث کہ آنہی اندرا رپبلکن نظریہ ءِ بورژوا دِہ اواراشنت‘ قلمکار دِہ ،قانون زانت،افسر او سرکاری اہل کار دِہ ۔ اواشیءَ اثر پہ اے خاطرا پیدا کثہ پچیکہ دراہیں مخلوق لوئی فلپ ءَ خلافا اث‘پچیکہ مخلوقا کہنیں رپبلک گیراَث‘ پچیکہ بازیں گرمجوشاں رپبلک عقیدہ داشت،اوژہ کلّاں زیات اثر فرانس ءِ نیشنلزم ءَ سبا اثی کہ ویانا صُلح نامہ آنی اوانگلینڈءَ گوں پوڑی خلافا ہمے نیشنلزم ءِ نفرت اشیءَ دائم ءَ جوشا آڑتہ۔لوئی فلپ ءِ وختا ’’نیشنل‘‘ ءِ پلہ بندانی مزائیں بھرے ہمے اوڈھریں امپیریلزم ءَ سبا اث کہ رندا‘ رپلبک ٹھغ ءَ وختا خاص ہمے سبا لوئی بونا پارٹ ءِ صورتا ’’نیشنل‘‘ ءَ خلافا کڑو بیثہ ۔ ہمے اخبار بورژوا حزب اختلاف ءِ دوہمی بہرانی ڈولا مالیات ءِ ارسٹو کریسی ءَ گوں مڑثہ ۔ بجٹ ءَ خلافا بحث کہ بیثغنت ،اوفرانس ءَ تہا ہمے بحث مالیات ءِ ارسٹوکریسی خلافا جنگ دوئیں اواری ءَ سلہا ڑتی اِیثنت‘ ہمشاں اخبارءَ بازسفکیں مقبولیت اے دِہ داشہ اوہمنگیں موادانی بڈ دِہ داثغنت کہ شمانہاں بازپاکیں مضمون نوشتہ کنغ بہ بنت کہ شمے مباحثہ ءَ فائدہ زیرغ بیثیں ۔ انڈسٹریل بورژوازی ہمے اخبار ءِ تورہ منداَث کہ آنہیا فرانس ءِ انڈسٹریل نظام ءِ حفاظت ءِ غلامانی ڈول ءَ پلہ بندائی کثہ ۔اخبار ءَ تہ ہمنگا معاشیات ءَ ژہ زیات قوم پرستی سبا کثہ۔ دراہیں بورژوازی ءَ ’’نیشنل‘‘ ءِ تورو زڑتہ کہ ہمشی ءَ کمیونزم و سوشلزم ءَ زہرنیں زاں داثغنت۔باقی ’’نیشنل‘‘ ءِ پارٹی’’سُچائیں ریپلکن ‘‘ اث، بزاں اشی ءَ بورژوا حاکمی والائیں بادشاہی ءِ دروشم ءَ ہندءَ یک ریپبلکن صورتے لوٹثہ ۔ او کلاں ژہ زیات اے کہ ہمے حاکمی لافا آنہانی ونڈ گُلاں ژہ زیات بہ بی ۔ ہمے تبدیلی ءِ بدّھی آنی بارہا آں جوانیءَ سرپد نہ بیث۔دوہمی پلوءَ ہماں چیزءَ بارہا کہ آنہیا جوانیءَ سمااث،اولوئی فلپ ءِ آخری روشانی ریفارمانی سلسلہ ءَ دعوتانی اندرا گوانک چیکی سماکفغایث،آں ایش اث کہ جمہوری پیٹی بورژوا او خاص کس انقلابی پرولتاریہ ءِ اندرااشی مقبولیت نیستہ اث۔ ہمے سُچائیں رپبلکناں وثی رپبلکی عادتانی بھیرا، وثار راضی کثہ کہ سری سری اورلین ءِ شاہ زادی ءِ بادشاہی ٹاھنیغ بہ بی۔اووختیکہ فروری انقلاب کڑو بیثہ تو آنہاں عارضی حکومت ءَ اندراوثی کلّاں ژہ جوائیں نمائندگ ہندی کثغنت ۔ بندات ءَ ژہ آنہاں بورژوازی ءِ اوآئین سازیں نیشنل اسمبلی ءِ اکثریت ءِ باور گوئر اث۔ عارضی حکومت ءِ ’’سوشلسٹ‘‘ مردم یکدم ایگزیکٹو کمیشنا ژہ درکنغ بیثغنت۔ ہمے ہماں ایگزیکٹو کمیشن اث کہ نیشنل اسمبلی ءَ وثی اوّلی پچی تہاٹا ھیثغ اث۔’’نیشنل‘‘ ءِ پارٹی ءَ جون بغاوتہ سمبرغ ءِ فائدہ زڑتہ اوایگزیکٹو کمیشن ءِ جند برطرف کثہ او ہمے ڈولا وثی نزیخ تریں حریف بزاں پیٹی بورژوازی، ڈیمو کریٹک رپبلکن (لیدرو۔رولین وغیرہ) ءَ ژہ دِہ جان چوڑائیثئی ۔جون قتلِ عام ءِ کمانڈر بورژوا رپبلکن پارٹی ءِ جنزل،کوے ناک ءَ ایگزیکٹو کمیشن ءِ ہند گوں ڈکٹیٹری اختیارا گپتہ ۔’’نیشنل‘‘اخبار ءِ پیشی ایڈیٹرانِ چیف ماراستِ آئین سازیں نیشنل اسمبلی ءِ مستقل ایں پریذیڈنٹ ٹھیثہ۔ وزارت اودوہمی خاصیں عہدہ دِہ سُچائیں رپبلکنانی دستا آتکغنت۔

رپبلکن بورژوا ٹولی ءَ، کہ وثار دیری ءَ ژہ جولائی بادشاہی ءِ اصل ایں وارث گنڑثی، دیثہ کہ ارمان وامیداں ژہ زیات رسغیں۔ پر اقتدار ہماں ڈولا نہ رسثئی چو کہ لوئی فلپہ زمانغا وہاو

دیثغثی، او خیال اثی کہ تخت ءَ خلافا بورژازی پلوءَ ژہ لبرل ایں بغاوتے بیث۔ پر بیثہ اے کہ سرمایہ ءِ خلافا پرولتاریہ ءِ بغاوت گوں تو پک وتیراں ساڑت کنغ بیثہ۔ ہماں، کہ اثی ءَ کلاں زیات انقلابی واقعہ گنڑ ثغث حقیقتا مس کلاّں زیات انقلاب دشمن درآتکہ۔ پکغیں بر اِشی کُٹا کپتغنت، پرہے برعلم ءِ درشکا ژہ کپتغنت، نہ کہ زیندھ ءِ درشکا ژہ۔

بورژوار پبلکنانی واحد وبے شریخیں حکومت چھڑو 24 جون ءَ گرتاں 10 دسمبر 1848 ءَ چلثہ۔ اثی ءَ چھڑو یک ریپبلکن آئین اے لکھثہ او پیرس ءِ محاصرہ کنغ ءِ حالت ءَ اعلان کثو ختم بیثہ۔

نوخیں آئین اصلامس 1830 ءِ آئینی چارٹر ءِ ریپبلکن کثغیں ایڈیشن اث۔ جولائی بادشاہت ءِ محدود کثغیں اے انتخابی شرط کہ بورژوازی جند ءِ مزائیں بہرے ژہ سیاسی حکمرانی ءَ در کثغثی، بورژوار پبلک ءِ وجود ءَ گوں متضاد اث۔ فروری انقلابا یکدم ووٹ ءَ دیغ ءِ عامیں حق ءَ اعلان کثہ۔ بورژوار پبلکناں ہے اعلان ختم کثہ نہ کث۔ آنہاں ووٹ دیوخ ءَ چکا وثی حلقہ ءِ اندرا شش ماہی رہائش ءِ شرط جثو صبر کثہ۔ انتظامیہ، میونسپل نظام، عدلیہ، فوج وغیرہ ءِ کہنیں تنظیم، ساگی ڈول ءَ چلثہ۔ نوخیں آئین ءَ اغر چیزے بدل دِہ کثہ تو آں بدلی دِہ لسٹ ءَ تہا اث، مضمون ءَ تہانہ اث، نام ءَ تہااث مضمون ءَ تہانہ یث۔

1848 ءِ آزادیانی لازمیں جنرل سٹاف بزاں، شخصی آزادی، پریس ءِ آزادی، تقریر ءِ، تنظیم ءِ، جلسہ ءِ جلوس ءِ، تعلیم ءِ اور مذہب ءِ آزادی ۔۔۔ ءَ یک آئینی وردی اے رستہ کہ ہے آزادیاں پہ تیغ بندے ٹھیثہ۔ اِشاں ژہ ہر یک آزادی فرانس ءَ مڑدمانی پکوئیں حق منغ بیثہ، اے کستریں پابندی اے ءَ گوں کہ ہمشانی سر ءَ دَہ ہماں وختا، ہچ پابندی نہ وی داں وختیکہ ''دوہمیانی برابریں حقانی'' او ''عوامی سلامتی'' ءِ معاملہ اجازت ءَ دینت ۔۔۔ بزاں ہمنگیں ''قانونانی'' پلوءَ ژہ ہچ پابندی مہ وی آں کہ ہے شخصی آزادیاں گوں یک دگرءَ او گوں عوامی سلامتی ءَ ہم آہنگی ءَ برجاہ دارانت۔ چوکہ فرانس ءِ آئین ءِ چیپٹر 2، آرٹیکل 8 گشی:

''شہری آں تنظیم ٹائینغ، پرامن وبے ہتھیاریں مچی آنی کنغ، پٹیشنا روغ، پریس ودوہمی بھیراں وثی رایہ دیغ ءِ حق ایں''۔ ہے حقانی گزر کنغ ءِ بغر ژہ اے ٹوکا دگہ ہچ حد بندی نے کہ ''دوہمی آں ہے برابریں حق بہ رسنت او عوامی سلامتی برجاہ بہ بی''۔ دفعہ 9 گشی: ''تعلیم آزادیں۔ تعلیم ءِ آزادی ریاست ءِ سپریمیں اتھارٹی او قانون ءِ ردءَ مقرار کثغیں شرطانی شیرا گزر کثہ کاینت''۔ دفعہ 3 گشی: ''قانونہ اندرا درج کثغیں صورتاں سوا مڑدمانی لوغا ہچ دخل اندازی اے بیثہ نہ وی''۔ وغیرہ وغیرہ۔ ہے آئین دھک مس دھکی مستقبل ءِ ہماں ضمنی قانونانی حوالہ ءَ داث کہ ہمنگیں ڈولے ءَ ہے بے بندشیں آزادیانی گزر کنغ او باقاعدہ کنغا پہ ٹاھینے جنت کہ آں نہ تہ یک دوہمی ءَ گوں ٹکرءَ ورنت او نئیں عوامی سلامتی ءَ گوں۔ رند ءَ قاعدہ قانون ءِ دوستاں ہے ضمنی قانون ٹاہینتغ انت او ہے کل آزادی ہمنگیں ڈولے ءَ سانجیل تغنت کہ بورژوازی ہمیشانی گزر کنغا مس وثار دوہمی طبقہانی برابریں حقانی پلوءَ ژہ ہچ بندشے نہ گندی۔ ہموذ کہ ہے ضمنی قانون ''دوہمی آں'' ہے آزادیاں ژہ پیلوی ءَ بے بہر کنت، یا ہمنگیں بدھی آں گوں ہے آزادیانی گزر کنغ ءَ اجازت ءَ داث کہ آں بدّھی پولیس ءِ کڑو کی آنی کار ءَ دینت او ذا نیمن ایش اث کہ اے کُل ''عوامی سلامتی'' ءِ خاطرءَ بزاں بورژوازی ءِ سلامتی خاطرءَ کنے جیغیں۔ نتیجہ، ہر دوئیں دُھر آئین ءَ گوئر رونت، پیلہ ایں انصاف ءَ اپیل ءَ کن انت: قاعدہ قانون ءِ دوست دِہ، کہ ہے سجہ ایں آزادی ختم کثغنتش، او ہماں ڈیمو کریٹ دِہ کہ ہے آزادیانی مطالبہ ءَ کن انت۔ چے ءَ کہ آئین ءِ ہر پیراگرافہ اندرا وثی جند ءَ رَد دِہ موجودیں، اے خاطرءَ اثی جند ءِ ایوانِ خاص او ایوانِ عام موجودانت، بزاں عامیں لوزانی تہا بس آزادی او آزادی، او ضمنی قانونانی اندرا ہمشی (آزادی) ءِ منسوخی۔ ہے خاطرا، دہموذ کہ آزادی ''نام'' ءِ پاسداری بیثہ او چھڑو اثی اصلیں حقیقت برجاہ دارے جیثہ، دہماں وختا آزادی ءِ آئینی وجود ہم سلامت بیثہ، او اے جھیڑے نہ جیثہ، البتہ ''اصلیں زیندھ'' ءِ تہا اثی (آزادی) وجود ءَ چکا کشو خیں دھک مان آناں شتغنت۔

آئین ءِ دخل اندازی ءَ ژہ پاک دارغہ لافا باز چالاکی ءَ گوں کارگر غ بیثہ۔

گڑہ دہِ اکیلیس ءَ ڈولا یک ہندے ءَ کمزوراث، کُڑی ءَ نہ سغر ءَ، یا دوئیں سراں۔۔۔ یک پلوئے آئین سازیں اسمبلی، او دوہمی پلوءَ پریذیڈنٹ۔ آئین ءَ نغاہا کس، تہ گندئے کہ چھڑو ہماں پیراگراف پکّو انت، مثبت انت، متضادنہ انت او بدل سدل کثہ نہ یاینت کہ تہا اِش پریذیڈنٹ او آئین ساز اسمبلی ءِ آہنی سیادی ڈسثی ایں۔ چیے کہ ایذا بورژوا ریپبلکنانی وثی بچائینغ ءِ معاملہ اث۔ آئین ءِ آرٹیکل 45 ءَ گرتاں 70 ءَ ہمنگا نوشتہ کنغ بیثغنت کہ نیشنل اسمبلی قانونی بھیرءَ پریذیڈنٹ ءَ کشتہ کنت، بلے پریذیڈنٹ نیشنل اسمبلی ءَ چھڑو غیر قانونی ڈول ءَ کشتہ کنت، چھڑو ہماں وختا کہ آئین ءَ جندا رد بہ کنت۔ ہمیذا، آئین وث پہ زوروثی بھورینغ ءِ چیلنج ءَ داث۔ اے 1830 ءِ چارٹر ءَ ڈولا نہ چھڑو اقتدار

ءِ بہر و بانگ ءَ تقدسہ بشکی بلکہ اِشی ءَ یک برداشت نہ ویوخیں تضادے ءَ داں مزں پاند کنت۔'' آئینی اختیارانی لیوٗ'' کہ گیزوءَ قانون سازی او انتظامیہ ءِ اختیارانی پارلیمانی پچ چخ ءِ نام داشہ، 1848 ءِ آئین ءَ اندرا یکو ہمنگا لیو کنغ بیغیں کہ ہرچی گُریں ہمانہیا شرط کس۔ یک پلوے عوام ءِ گشیں کثغیں 750 نمائندہ انت کہ جنزل الیکشنا گوں چونڈ بیثغنت، او دوہمی برا دِہ الیکٹ بیثہ بنت۔ ہمے نمائندگ یک قابو کثہ نہ ویوخیں، بھوریتہ نہ ویوخیں اور بہر کثہ نہ ویوخیں نیشنل اسمبلی اے اڈ کن انت۔ ہمے نیشنل اسمبلی ءِ قانون سازی ءِ اختیارانی ہچ حد وسیم نے، اے جنگ وصُلح وسوداگری ءِ آخری فیصلہ آنی اختیارءَ داری، معافی دیغ ءِ حق چھڑو ہمشی ایغیں، او مدام سانڑیں بیغ ءَ سببا یکو ہمے معاملہ آں کنٹرول کنت۔ دوہمی پلوءَ پریذیڈنٹ ایں کہ بادشاہ ءِ سجہ ایں اختیاراں داری، نیشنل اسمبلی ءِ پولا بغروثی وزیراں مقرار دہ کثہ کنت او کشتہ دِہ کنت، انتظامیہ ءِ اختیارانی دراہیں بنزہ آنہی دستا اَنت، سجہ ایں نوکری آنی دیغ آنہی اختیار اَیں کہ شما نہی سببا فرانس ءِ کم از کم پانزدہ لکھ مڑدمانی زیندھ ءِ گزران ہمشی دستانیں پچیکہ ہر درجہ ءِ پنچ لکھ افسرو اہلکارانی نوکری آں گوں ہمشانی روزی گنڈھشی ایں۔ آنہی مُسکا دراہیں فوج اوشتاتی اَیں ۔ آنہیا انفرادی مجرمانی معاف کنغہ اختیاریں، نیشنل گارڈ ءِ ختم کنغہ اختیاریں، اوسٹیٹ کونسلہ منظوری ءَ گوں آں جنزل کونسلاں، کنٹونمنٹ کونسلان، میونسپل کونسلاں، پروشتہ دِہ کنت کہ مخلوق ءِ ووٹاں گوں آتکغنت۔ دوہمی ملکاں گوں بیوخیں سجہ ایں معاہدانی شروع کنغ اورُخ دیغ ءِ کاردہ ہمشی ایغیں۔ وختیکہ اسمبلی ہر وخت چمانی اگھ اَیں۔ او پبلک ءِ روزینہ ای تنقید ءَ شیرئیں، پریذیڈنٹ یلی سے ئی ءِ بادشاہی ماڑی اندرا اوڈھریں زیندھ گوازیِنی۔ آنہی دل وچمانی اگھا آئین ءِ آرٹیکل 45 ایریں کہ ہرروش واھوآں داراناں گشی: '' براث! مرگ نزدیک ایں'' (کیتھولک ملّایانی یک فرقہ اے کہ ہمے ٹوکاں گوں یک دوہمی دراہی ءَ کنت)۔ تئی الیکشن ءَ رند چیارمی سال ءِ زیبائیں مئی ءِ دوہمی سنڈے ءَ تئی اختیار کٹیث!۔ گڑہ تئی شان سرنہ ییے، ہمے پڈّی دوہمی دھک ءَ نہ چڑّی، اواغرتہ پوردار ءِ تہ آئین ءَ داثغیں شش لکھ فرانک ءَ ژہ وخت ءَ سرا دئے چوڑائین اِش، ہمنگا مہ وی کہ تہ زیبائیں مئی ءِ دوہمی مَنڈے ءَ کلیشی نامیں وام دارانی جیل ءَ روغ ءَ باڑا ببئے !۔۔۔۔ ہمے خاطرءَ حالانکہ آئین اصل ایں طاقتہ پریذیڈنٹ ءَ داث بلے اخلاقی طاقتا نیشنل اسمبلی ءَ پہ داری۔ اے حقیقت ءَ علاوہ، کہ قانون ءِ پیراگرافاں گوں اخلاقی قوتے پیدا کثہ نہ ییے، آئین ہمیذا یک دوہمی برے وثار مٹائینی اور پریذیڈنٹ ءَ سدھائی عامیں ووٹاں گوں چونڈ کنائینی۔ وختیکہ فرانس ءِ ووٹ نیشنل اسمبلی ءِ 750 ممبرانی نیاما بہرانت، بلے ایذا آں کل یک نفرے چکا مچ انت۔ وختیکہ عوام ءِ ہر جدائیں نمائندغے اے پارٹی یا آں پارٹی ءِ نمائندگی ءَ کنت، اے شہر یا آں شہر ءِ نمائندگی ءَ کنت، اے حلقہ یا آں حلقہ ءِ نمائندگی ءَ کنت، یا حتیٰ کہ 750 آں ژہ بغیر ہماں مڑد ءِ یا آنہی نظریہ ءِ پلوءَ ہیڑتی ءَ دیثی ءَ یکے نہ یکے چونڈ کنغ الم ایں، بلے پریذیڈنٹ پیلہ ایں قوم ءِ انتخاب ایں او آنہی گشین ہماں ٹرمپ کارڈیں کہ وث مختاریں عوام ہر چیار سال ءَ پد چھڑو یک دھکے گزر کثہ کنتی۔ چونڈ بیثغیں نیشنل اسمبلی ءِ سیادی ما بعد الطبیعاتی ایں، بلے چونڈ کثغیں پریذیڈنٹ ءِ سیادی قوم ءَ گوں شخصی ایں۔ نیشنل اسمبلی وثی نمائندگانی اندرا قومی سپرٹ ءِ رنگ رنگی ایں پہناذاں درشاں کنت، بلے پریذیڈنٹ ءَ اندرءَ ہمے قومی سپرٹ مجسم ایں علامت ءَ گندی۔ نیشنل اسمبلی ءِ برخلاف آں یک آزمانی حقے داری، کہ آں تہ پریذیڈنٹ ایں گوں مہربانی ءَ عوام ایغا۔

☆

گل خان نصیر

بیلاں! من و دل اتکوں چہ را ہے
پَچ لرزتاں من ، دل گُشتہ آ ہے

من گُشت اللہ! دل گُشت چیئے؟
من گُشت پُلے ، دل گوُشت ما ہے

من گُشت آ سے، دل گُشت زرا بے
من گُشت سوچیت، دل گُشت سا ہے

من گُشت نیرے، دل گُشت گروکے
من گُشت برمشے ، دل گُشت برا ہے

من گُشت تیرے، دل گُشت جنجر
من گُشت بِلّی ، دل گُشت گا ہے

من گُشت دردے، دل گُشت سکّین
من گُشت درمان، دل گُشت نگا ہے

من گُشت جی دِل، دل گُشت جی جان!
من گُشت نصیراں، دل گُشت تبا ہے

شعوری و فکری جمود

اسعد الرحمٰن بشیر

کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ انسان کی زندگی بنیادی طور پر ہے کیا؟ ہم کتنا جیتے ہیں؟ خوشی اور غم کیا ہے؟ اچھا اور برا کیا ہے؟ کیا ہم یہاں کچھ لینے آئے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو جب جاتے ہیں تو خالی ہاتھ کیوں جاتے ہیں؟ کیا ہم یہاں کچھ چھوڑنے کر جانے کے لیے آئے؟ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا چھوڑنے کے لیے؟ وہ ترکہ جس پر لڑائی جھگڑا ہوتا ہے، وہ مال اسباب جو پس ماندگان کے درمیان اختلاف وفساد کی جڑ بنتی ہے؟ یا وہ نفع والا علم جو انسانوں کو فائدہ پہنچائے؟ ہاں یہ بات ٹھیک ہے، یقیناً نفع بخش علم ہی وہ چیز ہے جو قابلِ ذکر چیز چھوڑ کر جاتا ہے کوئی شخص۔ تو پھر ایسا ہر کوئی کیوں نہیں کرتا؟ مثلاً ہمارے اردگرد ہر روز لوگ مرتے ہیں، وہ ترکے میں زمینیں جائدادیں چھوڑ کر جاتے ہیں، مگر ان سب کے لیے علم حاصل کرنا ضروری ہے، ظاہر ہے بنا علم کے آپ کچھ نیا ایجاد نہیں کر سکتے، بنا تجسس کے کچھ دریافت نہیں کر سکتے، اور بنا تجربات کے کچھ بھی نیا بنا نہیں سکتے! پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا بننے کے لیے کسی تعلیمی ادارے کی ضرورت ہوگی، کسی تجربہ گاہ کی ضرورت ہوگی۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے تعلیمی ادارے اور تجربہ گاہیں تو تقریباً میسر ہیں پھر کیوں کوئی سائنسدان یا دانشور یا فلاسفر نہیں بن رہا ہے؟ ہر سال ہزاروں پی ایچ ڈی ڈاکٹرز اس ملک میں ڈگریاں لے کر فارغ ہوتے ہیں، مگر معاشرے میں کوئی خاص تبدیلی کیوں نہیں آ رہی؟ تو دو باتیں ہیں، یا تو ہم متجسس نہیں ہیں، ہمارے ذہنوں میں جمود ہے، ہم سوال اٹھانے والے نہیں ہیں، جو ہے جیسا ہے چلنے دو، ہمیں کیا ہے، ان سب باتوں پر چلنے والے ہیں، ظاہر ہے سوال ہوں گے متجسس ہوں گے تب ہی کچھ نیا دریافت ہوگا یا ایجاد ہوگا، یا کم سے کم صحیح غلط کی پہچان رکھتے ہوں، معاشرے میں پسنے والے طبقات مزدور کسان کا درد سمجھنے والے ہوں، تب ہی ہم اس پر بات کر سکیں گے یا لکھ سکیں گے۔ ہمارے تعلیمی ادارے اور ہمارا تعلیمی نظام ہمیں صرف مشینوں کی طرح تیار کر رہا ہے، کیا آپ نے کبھی کسی مشین کو تعمیری کام کرتے دیکھا ہے؟ اسے آپ جو حکم دیں گے جو پروگرام اس پر انسٹال کریں گے وہ ویسے ہی کام کرے گی، اس سے کم یا زیادہ نہیں کرے گی، ایسے ہی یہ تعلیمی نظام اس طرح کام کرتا ہے، مشین کی طرح رٹا رٹایا پروگرام بچوں میں انسٹال کر دیا جاتا ہے، یہ تیس چالیس ہزار بچے آئے ان میں ایک ہی طرح کا سافٹ ویئر کیا اور نکال دیا، پاس کر دیا۔ کچھ خاطر خواہ یا نیا سکھانے کی کوشش نہیں کی گئی۔

اب آتے ہیں ان دونوں باتوں کی طرف تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چلو تعلیمی اداروں کا الگ قصور لیکن پہلا راستہ تو بہرکیف ہمارے اختیار میں ہے، ہم متجسس ہو سکتے ہیں، ہم خود سے علم کے پیچھے دوڑ کر اسے حاصل کر سکتے ہیں، پھر ہم کیوں نہیں کرتے؟ تو اس کا جواب ہے جمود، ذہنی فکری جمود، شعوری جمود جو بلکل ہمارے شعور کو فکر کو بلاک کر کے بیٹھا ہے۔ جو لوگ ٹیکنالوجی سے آشنا ہیں وہ جانتے ہیں کہ کسی بھی سافٹ ویئر کو انسٹال کرنے کے لیے ڈیوائس کا اس سافٹ ویئر سے ہم آہنگ ہونا بہت ضروری ہے، ہم متجسس ہو سکتے ہیں ہمارے اندر تجسس کے سافٹ ویئر کے لیے ہم آہنگی بھی ہے، لیکن ہم ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں، ہم اعتقاد پرست ہو گئے ہیں، ہم نے مریدی شروع کر دی ہے، اس کی وجوہات بہت ساری ہیں، بہرکیف مسئلہ اس کی وجوہات نہیں اس کا حل ہے! عموماً بچے فطری طور پر بہت متجسس ہوتے ہیں، خود انسان فطری طور پر متجسس ہے، پتھر کے زمانے سے اب تک جو بھی ترقی ہوئی ہے انسان کے متجسس ہونے کی وجہ سے ہوئی ہے، لیکن اس کے برعکس ہمارے ہاں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تجسس ختم ہو رہا ہے، تو کیا ایسا کیا جائے کہ تجسس برقرار رہے؟ اس کا جواب شاید ایک فکری انقلاب ہی ہے، جمود کا ایک ہی حل ہے وہ ہے مکالمہ، ڈائلاگ، اور یہ کوئی زیادہ مشکل نہیں ہے، نہ ہی اس کے لیے فنڈ درکار ہے، بس ذہن بنانا پڑتا ہے، ایک استاد یا چند ایک اساتذہ مل کر اس فکری انقلاب کی بنیاد رکھ سکتے ہیں، چند ایک نوجوان مل کر اس کی بنیاد رکھ سکتے ہیں، سنگت کا یہی منشور ہے، آخر کار اگر ہم ترقی چاہتے ہیں تو اس کا ایک ہی حل ہے کہ معاشرے کے اندر سے جمود کو ختم کریں، تجسس کو پروان چڑھائیں، تاکہ آنے والی نسلیں ترکے میں علم کی میراث چھوڑ کر جائیں، جس پر دو لوگ بحث کریں اور یہ علم مزید پھلے پھولے، ہمارے معاشرے کے اندر بھی فلاسفرز اور سائنسدان پیدا ہوں، سوال اٹھانے والے لوگ پیدا ہو سکیں، ایسے غلاموں کی اس جنت سماں زمین کو بلکل ضرورت نہیں جن کے سر جھکے ہوئے ہیں، ذہنوں پر جمود سوار ہے، اور فکری شعوری طور پر صحیح غلط کے ادراک سے عاری ہیں۔

ہسٹری لافانفرئے کرد

جارجی پلیخانوف

اے معاملہ چکا مارمزائیں وختے آ ژہ دلچسپی ایں اوبازیں روشاں ژہ دل لوٹی کہ ماوثی وانوخاں دعوتا دوں کہ آں اشی پوہ بیغ اوگیش وگیوار کنغا مئے پچیا اوار بی انت۔ پرکڑدے وزتاں مار ہمنگہ کنغا ژہ داشتہ : مئے خیال اث کہ مئے وانوخاں وث ہمے گی ایشتہ او مئے دعوت وقتا ژہ پذابی۔ ہمے ڈولیں تشویش نئیں مار پریشان نہ خنت۔ جرمن تاریخ زاناں ہمے مئے دلاں ژہ بالکل دِیر کشغنت۔ بالکل جائی ہمنگا گشغاؤں۔ اَصل ٹوک اشیں کہ گوُستغیں چی اے زمانہا ژہ تاریخہ لافا مزانیں انسانانی مقام ءِ معاملہ ءَ چکا جرمن تاریخ زانانی نیاما یک باز گریں مباحثہ بیغاینت۔ اشاں ژہ کڑدے ، ہمے انسانانی سیاسی سرگرمیاں اوتاریخی رزدوم ئے کلاں ژہ لازمی ایں اوتقریباً واحدیں اصل ایں محرک گنڑغ ئے طرفدار بیاناں آتکغنت ،اوکڑدے دوہمی اے دعوی ءَ کناناں آتکغنت کہ ہمے نقطہ نظر یک رخی ایں،او،اے کہ تاریخ ئے علمانہ چھڑومزائیں مردمانی سرگرمیاں ژہ ،او سیاسی تاریخ ، بلکن ءَ تاریخی زیندہ بحثیت مجموعی گندغ پہ کاریں۔ ہمے پذی رجحان ئے نمائندغاں ژہ یکے ''جرمن قوم ءَ ہسٹری '' ئے نویسوخ کارل لامپرخت ایں۔ لامپرخت ئے مخالفاں آنہی چکا ''اجتماعیت پسند'' ومیٹیریلزم پسند بیغ ئے سیاھغ جثہ۔ داں ہمے حد ءَ کہ آنہیا ''سوشل ڈیموکریٹیں اتھیسٹانی'' برابر ئے درجہ داثیش چوکہ آنہیا مناظرہ ختم کناناں وث گوُشتہ۔ وختیکہ ما،لامپرخت ئے خیالاں ژہ پچھا روپثغوں تو مادیشہ کہ اے مسکین ایں علامہ ءَ چکا جثغیں سیاھغ دروغ انت۔ ہمشیا گوں اوار ما اے ٹوکا دِہ پک بیثغوں کہ تاریخہ اندرا نفرہ کردارہ معاملہ ئے حل کنغ مرشی ایں جرمن تاریخ زانانی زورا ژہ دریں۔ ھذیں مافیصلہ کشہ کہ مارا ے فرض کنغ ئے حق استیں کہ دانڑتی دَہ روسی وانوخانی واسطا دِہ اے مسئلہ گی ایشتیانہ ایں۔اواے کہ اشی بارہا چیزے نہ چیزے ہمنگیں ٹوک گشے جابنت کہ نظری اوعملی دلچسپی آ ژہ وابن خالی مہ ونت۔

لامپرخت ءَ ہماں سجہ ایں رایہ جوہانے ڈولانز آڑتغنت کہ نامی ایں سیاست داناں وثی خاصیں تاریخی چاگردہ اندرا کشغیں وثی جندءَ کارانی بارہا ظاہر کشغنت۔ گڑہ دِہ وثی مناظرہ ءَ لافا آنہیا وختی صورتا وثار چھڑو بسمارکئے کڑدے تقریرانی حوالہ دیغا داں محدود داشتہ۔ آنہیا 16 اپریل 1869 ءَ زوراخیں چانسلر ئے قطبی رائشتاغہ لافا گوُشتغیں اے ٹوک اغدہ گوُشتغنت :''جنٹلمن ، مانہ پاسٹ ئے ہسٹری ءَ شموشتہ کنوں اونہ فیوچر ئے تخلیقہ کشہ کنوں۔ مس شمار ہمے غلطی ژہ خبردار کنغا باڑایاں آنہی سبا کہ مخلوک وثی گھڑیانی شیثناں دیمہ ودھین انت وسمجھنت کہ ہمے ڈولا آں وختہ رپتارا تیز کنغاینت۔ ہماں واقعہ آنی چکا ، کہ مس شمانہاں فائدہ زڑتہ ، منی اثر عموماً ودھینغ وپیش دارغ بیث۔ ہچ مڑدے اے لوٹہ نہ خنت کہ مس بایدیں ہسٹری ئے تعمیرا کناں۔ جنٹلمن ، من کہ گوں شما اوار بیاں گڑہ دِہ ہمنگا کشہ نہ خنوں ۔ماکل کہ اوار بیوں تو دراھیں دنیائے مقابلہا کشہ کنوں۔ ماہسٹری ئے تعمیر ءَ کث نہ خنوں ، ہماں وختے کہ ہسٹری ئے تعمیر بیغا بی تو ہمشی نیاما مابایدیں انتظارا کنوں ، ما یک میوہ اے گوں چرانغے تا ءَ اشتافی پاشیتہ نہ خنوں۔ اوا غرژہ پشغا پیش ءَ ما آنہیا پٹوں تو آنہی رزدوم ءَ اگھ گرغ او آنہی ضائع کنغا سوادوہمی ہچ نہ خنوں۔ ژولّی ئے شہید بیغہ پچار اکناناں لامپرخت دِہ بسمارک ئے ہماں ٹوکاں دَھک مں دھکی گشی ہما کہ آنہیا بازیں دھکاں فرنچ وپروشیائی جنگہ نیاما کشغ انت۔ ہمے سجہ ایں ٹوک دِہ وتی مُسکا ہماں نظریہ ءَ کہ دارنت آں اشیں کہ مامزائیں ہسٹاریکل واقعہ ہانی تعمیر ءَ کشہ نہ خنوں۔ پر، مار بایدیں کہ واقعہ ہانی فطری رفتار اگوں وثاریک بھیر کنوں او ہماں چیزے کہ پکوبیثہ ہما نہی چکا تسلا کنغا دَہ وثار محدود داروں''۔ لامپرخت ہمشیا یک ڈونگھائیں او پیلو یں راستے گنڑیں۔ آنہی خیالانوخیں دوروباری ئے ہسٹورین ہمشیا بغیر دوہمی ہچ ڈولے ءَ گنڑہ نہ خت۔ بشر طیکہ آں واقعہ آنی ڈونگھائیانی لافا ٹُورا کشتہ بہ کنت اووثی نگاہا باز گوئنڈیں وختے ءَ داں محدود مہ داری۔ بسمارکا جرمنی نیچرل اکانومی پلوا گڑدینتہ بڑتہ کث چہ؟۔ آنہیا وثی واک ئے زورہ وختا دِہ ہمنگا کشہ نہ کث۔ تاریخی حالت ژہ زور اخیں نفراں زیات زوراخ انت۔ یک مزائیں مڑدمے واسطا ہمانہی زمانغ ئے مجموعی کردار یک ''تجربتی بھیرا استیں ضرورت'' ئے حکم ءَ داری۔

لامپرخت ہمنگہ دلیلاں داث۔ اووثی خیالاں آفاقی گشی ۔ ہمے ''آفاقی'' خیالانی نزوریں پہناذ ءَ گندغ اکھر ڈکھیائیں کارے نئیں۔ بسمارک ءَ رایہ، کہ آنہانی حوالہ ءَ لامپرخت داث، یک سائیکالوجیکل دستاویز

ئے حیثیتا باز عجب انت۔ آنجہانی ایں جرمن چانسلر ئے کاراں گوں ہمدردی نہ دارغ یک جذائیں ٹوکے، پرا ے کس گوئشتہ نہ خت کہ آں بیکار اشت اوا ے کہ بسمارک وتی Quietism ءَ واسطا الوکات۔ ہمشی واسطا لاسال ءَ گوئشتغث: ''رجعت ئے خدمتگار اکھر مزائیں تقریرچی نہ بینت، پر خدا کنا کہ ترقی ءَ ہمشانی ڈولیں خدمتگار نصیب بینت''۔ گڑہ دِہ اے مڑدا کہ کڑدے وختاں جائی آسنی طاغت ڈسثہ، وثار واقعہ آنی فطری رفتار ءَ اگھا اُصل بے وس دیثی۔ اوا ے سھرائیں ٹوکے کہ آنہیا وثار تاریخی روزم ئے چھڑو یک پڑزہ ئے گنڑث۔ شہ ہمشیا اغدہ ثابت بی کہ یک مڑدے مظاہرانی جبرو اختیارءَ روژنائی ءَ گوں گندغہ باوجود یک زوراخیں او عمل داریں سیاست دانے بیثہ بی۔ پر بسمارک ئے رایہ چھڑوا ے ڈولا دلچسپ انت او آں ہسٹری اندرا نفرہ کردءَ مسئلہ ئے حل گنڑغ بیثہ نہ ونت۔ بسمارکہ چناں واقعہ وثی غی پیش کا بینت، او آں مئے واسطا ھماں ڈغارے کہ تیار کنت مابس، ہمشی پلواثہ چھڑو اطمینان وقرارءَ کشہ کنوں۔ نشتہ بوں بلے ''قرارکنغ'' ئے ہر یک عمل دِہ یک تاریخی واقعہ اے۔ ہے ڈولیں واقعہ آنی او ہماں واقعہ آنی نیاما کہ وثی غی سھرا بنت، چے فرق ایں؟۔ اصلامس تقریباً ہر تاریخی واقعہ اے، یک وختا یکے نہ یکے ئے گوئستغیں رزوم ئے پاشیثغیں میوہانی پلواثہ ''قرارکنغ'' ئے عمل دِہ اِستیں او ہماں واقعانی زنجیرئے یک کڑوئے دِہ اِستیں کہ مستقبل ئے میوہاں پاشیغا بینت۔ ''قرارکنغ'' ئے عمل واقعہ آنی قدرتی رفتارہ مقابلہا شوں ایرکنغ بیثہ بنت؟۔ غالباً بسمارک اے گشغا باڑایث کہ نفر او نفرانی ٹولی کہ تاریخہ اندرا عملہ کنت، نیں ہچ وختے ءَ قادر مطلق اشث او نہ ہسٹری آئندہ بی انت۔ اشی اندرا ہچ شک نے۔ پر، ما اے معلوم کنغا باڑاؤں کہ آنہانی قوت کہ قدرت مطلق ءَ ژہ باز دیریں، تاں چیزاں ژہ کیث۔ آں تاں حالتانی شیرءَ ودھی، تاں حالتانی شیرءَ گھٹ بی۔ نیں بسمارک ہے سوالانی پسوءَ داث او نہ ہسٹری ئے ''آفاقی'' تصور ئے واثہ گل کہ بسمارک ءِ قولاں نقلہ کنت۔

اے راستیں، کہ لامپرخت مارا انگت زیات فہم داریں حوالہ آں داث۔ چو کہ آں موتو ئے کہ فرانس ئے نیں ایں ہسٹری علم ئے کلاں ژہ مزائیں نمائندگاں یکے، اے لوزاں پیش داری: '' ہسٹورین اے ٹوکئے بازیات عادتی اشت کہ مردمانی سرگرمیانی چھڑو جلشکوخیں، ھلچاوالائیں او چندروشی مظاہرہ آنی او مزائیں مڑد او مزائیں واقعہ آنی پلوا چماں ٹک کن انت، بجائے اشی ئے مالی حالت او سماجی ادارہانی مزائیں اوستے رفتاریں تبدیلیانی سرا پکر بہ کن انت کہ انسانہ رزوم ئے جائی دلچسپ او یکوئیں سنگت انت۔۔ ہماں سنگت کہ آنہیا یک حدے ءَ داں قانونانی دروشم داشہ کیث او آں یک حدے ءَ داں ہیڑتیں۔ اصلا، مزائیں واقعہ او نفر بالکل ہے رزوم ءِ مختلف ایں ساھتانی نشان وعلامتانی حیثیتا اہم انت۔ پر گیشتریں واقعہ آں، کہ تاریخی گشے جنت، اصلیں تاریخا گوں ہماں نسبت ایں آں کہ سمندرءَ ژہ کڑو بیوخیں ہماں موجانی، کہ روژنائی اندرا یک ساہتے واسطا سھرا بنت او وثی مسکا، ہچ نشانے اشتی ءَ بغیر ریخیں تیاب ءَ گوں ٹکرہ ورنت وختمہ بنت جلار (مدوجزر) ئے ڈونگھائیں او دائم ایں حرکت ایں گوں۔

لامپرخت اعلانہ کنت کہ آں ہمشاں ژہ ہر ٹوک ءَ چکاوتی دستخط ءَ کنغا پہ تیاریں۔ اے مشہوریں ٹوکے کہ جرمن عالم گوں فرنچ عالمانی خیالا گوں ہم صلاح بیغا پہ لاچار تیار بی انت۔ او ہے رنگا فرنچ عالم گوں جرمن ایں عالماں۔ ہے سبب ایں کہ بلجیم ئے تاریخ زانت پیرینا اے ٹوکہ سرا زور داشہ کہ موتو ئے تاریخہ تصور لامپرخت تاریخہ تصورءَ گوں ہم دروشم ایں۔ '' ہے ہم رنگی بازا اہم ایں'' آنہیا رایہ داشہ۔ '' ظاہرا اے ہے ٹوکہ ثبوت ایں کہ فیوچر، ہسٹری ئے نوخیں تصورانی دستانی اندرئیں''۔

کایاں من پدا کایان

گل خان نصیر

تئی گُل ءَ او ماہ پیکر
کایاں من ، پدا کایان
گوں قدّح و گوں ساغر
کایاں من پدا کایان
چار روچنت گوئزنت دردئے
دِل دوری و آہ سردئے
سیاہ تابیں سِدنت جمبر
تئی گُل ءَ او ماہ پیکر
کایاں من پدا کایاں

تو جانئے تو جانانئے
دائم ماں گمانانئے
دِلبر تہ بکن باور
تئی گُل ءَ او ماہ پیکر
کایاں من پدا کایاں

ہر چوں کہ الاھوشاں
ہچبر نہ فراموشاں
مِسکانیں تئی مہپر
تئی گُل ءَ او ماہ پیکر
کایاں من پدا کایاں

شپ روت سیاہوشین
کئیت روچ طِلا پوشین
مَلاں چو جڑیں ھومر
تئی گُل ءَ او ماہ پیکر
کایاں من پدا کایاں

کیا آزادی کا کوئی وجود ہوتا ہے!

مریم ارشد

جی ہاں سیاسی تشدد اجتماعی طور پر ہمارے ذہنوں پر بُری طرح اثر انداز ہو رہا ہے۔ ہماری تشویش و پریشانی اس حد تک بڑھ رہی ہے کہ ہماری ذہنی صحت تک متاثر ہو چکی ہے۔ حتیٰ کہ یہی سیاسی تشدد مختلف ملکوں کے بیچ سماجی تعلقات کو بھی متاثر کر رہا ہے۔ یقیناً بہت سوچ بچار کے بعد یہ طاقت دنیا پر حکومت کرنیکی خواہش کو جلا بخشی ہے۔ جمہوریت موجودہ حالات و واقعات کی رَو میں بہتی ہوئی وہ سنجیدہ لہر ہے جو بلا شبہ طوفان ہی لاتی ہے۔ تمام تر سیاست دان بادشاہ ہی بننا چاہتے ہیں۔ خدمت گار کوئی نہیں۔ ان کے تمام تر افعال کی قیمت بیچارے عوام کی زندگیاں اور ان کا مستقبل ہے۔ سیاست دان دھچکے کھاتے نہیں بلکہ لگاتے ہیں۔ تاریخ دان آج جس کو یورپی طاقت گردانتے ہیں وہ سترہویں صدی کے ایک ایسے نظام کا نظریہ تھا جس میں رومن سلطنت اور کیتھولک چرچ کی روایتیں آپس میں مدغم ہوگئی تھیں۔ بادشاہ خود کو خدا سمجھنے لگا اور سارے عالمگیر گرجا پر ایک پوپ حکومت کرنے لگا۔ جرمنی اور شمالی اٹلی کی جاگیردارانہ ریاستوں کو رومن بادشاہ کی مقدس حاکمیت سے جوڑ دیا گیا۔ سترھویں صدی میں رومن سلطنت نے یورپ پر غلبہ پالیا۔ فرانس اور برطانیہ چونکہ دُور تھیں لہذا وہاں حاکمیت قائم نہ ہوسکی۔ کلیدی تقرریاں مرکز کی حکومت کے تابع اس لیے تھیں کہ حکومت اور مذہب یکجا تھے۔ کسی بھی مذہبی پوپ یا پادری کو خود مختاری کے کوئی وسائل حاصل نہ تھے یعنی آزادی نہ تھی۔ حالانکہ عیسائیت اس کی خود مختاری کا مطالبہ کرتی ہے۔ اس بات کو تھوڑا مزید بڑھاتے ہیں۔ مغربی یورپ میں پوپ اور بادشاہ کے درمیان جب طاقت اور آئین کے سبب الحاق ٹوٹا تو جدید جمہوریت کا رنگ منظر پر آیا۔ اس کی وجہ سے جاگیر داروں کو دونوں کی طاقتوں یعنی مذہب اور حکومت سے خراج وصول کر کے مزید خود مختاری کے مواقع ملے۔ ان حالات میں یورپ تقسیم ہوا۔ بشپ کی ریاستیں، ڈیوک کی ریاستیں، کاؤنٹیز اور مختلف شہروں کا ایک سلسلہ سا بن گیا۔ فرانس، برطانیہ اور سپین مقدس رومن بادشاہ کی حاکمیت کو تسلیم نہیں کرتے تھے کیوں کہ وہ عالم گیری گرجا کا حصہ تھے۔ سولہویں صدی میں بادشاہ پنجم نے شاہی حاکمیت کو عروج پر پہنچا دیا جہاں مرکزی یورپ کی سلطنت کا تصور بن گیا۔ اس یورپی سلطنت میں آج کا جرمنی، آسٹریا، شمالی اٹلی، سلواکیہ، ہنگری، مشرقی فرانس، بیلجیم، ہالینڈ اور چیک ریپبلک شامل ہیں۔ یقیناً اس وقت بھی اتنی ریاستیں مل کر یورپی طرز کی طاقت کے توازن کو ابھرنے نہ دیتی تھیں۔ اس دور میں بادشاہ کو پوپ اپنا مذہبی حریف گردانتا تھا۔ بادشاہ اپنے آپ کو خدائی نمائندہ سمجھتا اور عوام سے بھی یہی توقع رکھتا تھا۔ پھر بہت سی اور صدیاں گزر گئیں۔ بیسویں صدی کی پہلی دہائی کے آخر تک یورپی ہم آہنگی نے تقریباً سو برس تک امن قائم رکھا۔ ہر بڑی طاقت نے کم نظری کا چھانٹا مارا۔ یورپی اقوام نے اندھے پن میں طاقت کے توازن کو اسلحے کی دوڑ میں بدل دیا۔ یہ بھی نہ جانا کہ جدید ٹیکنالوجی سے بڑے پیمانے پر جنگ کا خطرہ ہوسکتا ہے۔ 1914 کے گرما میں آسٹریا کے ڈیوک فرینز فرڈیننڈ کے قتل کے فوراً بعد پہلی عالمی جنگ شروع ہوئی جو چار برس سے زیادہ عرصہ جاری رہی۔ اس جنگ میں تقریباً 20 لاکھ سپاہی مارے گئے اور 21 لاکھ زخمی ہوئے۔ 1900 میں بہت سی یورپی ریاستوں نے وسیع زمینوں پر قبضہ کر رکھا تھا۔ بہت سے نو آبادی علاقے جیسے ہندوستان، ویت نام، جنوبی اور شمالی افریقہ وغیرہ بھی پہلی عالمی جنگِ کا باعث کہلائے۔ ملٹری ازم، امپیریل ازم، نیشنل ازم، خفیہ حکمتِ عملی، قرابت کے معاہدے، اسلحہ سازی وغیرہ بھی اس جنگ کے چند محرکات تھے۔ پہلی عالمی جنگ کے نتیجے میں پتہ چلا کہ جب ممالک آپس میں جھگڑتے ہیں تو چیزیں کیسے پیچیدہ ہوجاتی ہیں۔ دو بادشاہتیں گریں۔ چار نئے ملک یورپ اور ایشیا میں بنے۔ یورپ بھر میں افراتفری پھیل گئی۔ یہ سب باتیں تاریخ کا ایک استاد اپنی کلاس میں شاگردوں کو پڑھا رہا تھا۔ ایک لڑکے نے پوچھا سر! یہ جرمن اتنے بُرے کیوں تھے؟ کیونکہ وہ یورپ پر حکومت کرنا چاہتے تھے۔ سر! یہ عالمی بحران کب شروع ہوا؟ جنوری 1933 میں جب ہٹلر نے جرمن چانسلر کا عہدہ سنبھالا تب۔ سر! جارحانہ ہتھیاروں کے خاتمے کا کوئی سمجھوتا کیوں نہ ہوا؟ یہ اس وقت تک ممکن نہیں تھا جب تک ہر قوم بلا امتیاز ایک پختہ ذمہ داری کے ساتھ اس مہم میں شامل نہ ہو: سر! ایک اور بات بتائیے کہ جب جرمن فوجیں روس کو روندتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھیں تو تب ہٹلر نے کیا کیا؟ اس وقت ہٹلر نے امریکا سے بھی جنگ کا اعلان کر دیا۔ دوسری طرف چرچل چاہتا تھا برطانیہ، فرانس اور جرمنی کا

توازن برقرار رہے۔ مگر دوسری عالمی جنگ کے بعد دنیا ہمیشہ کے لیے بدل چکی تھی۔ سوویت یونین اور چین میں عظیم نقصانات ہوئے۔ پولینڈ کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا۔ بہت سے ممالک کو بڑے پیمانے پر تعمیرِ نو کی مشکلات اٹھانی پڑیں۔ جنگ کے پتے بانٹنے والوں کو بھی سزا بھگتنی پڑی۔ سر! لیکن کیا اس سے لوگوں کو حقیقی آزادی حاصل ہوئی۔ رافع نے پوچھا: بھلا جنگ بھی کبھی یا کہیں سکون لاتی ہے۔ خون بھلے دشمن کا ہی کیوں نہ ہو ہے تو نسلِ آدم کا ہی۔ آنگنوں کے چراغ بھی بُجھ جاتے ہیں۔ ہاں اس جنگ کے بعد زندگی کی کایا ضرور پلٹی۔ لیکن آج بھی اقوام خصوصاً جنوبی ایشیا میں ہمارے جیسے تیسری دنیا کے ممالک آزادی حاصل نہیں کر سکے۔ سر ہمیں تو چھوڑیں بتائیں دنیا میں کہیں حقیقی آزادی ہے؟ اچھا سوال ہے ینگ مین! میرے خیال میں ہر جگہ بڑی طاقتیں اپنے مفادات دیکھتی ہیں۔ چاہے اس کے لیے انہیں بے قصور ملکوں میں جنگ کے اقدامات ہی کیوں نہ اٹھانا پڑیں۔ ایتھوپیا کو ہی دیکھ لیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کے دوران وہاں قحط ہی پڑتے رہے۔ پاکستان تو آزاد ہو کر بھی آزاد نہیں ہوا۔ سر! کیا آزادی کا کوئی وجود ہوتا ہے؟ مجھے نہیں لگتا۔۔۔ استاد نے حسرت بھری نگاہوں سے چھت کو دیکھنا شروع کر دیا۔

☆

گل خان نصیر

یہ نہ سمجھو کہ میرے دل میں جذبہِ الفت نہیں
میری نظروں میں جمال و حسن و خال و خط کی کچھ قیمت نہیں

آہ ، لیکن کیا کروں اس آتشِ سوزاں کو میں
جو بھڑکتی ہے مرے سینے میں پیہم رات دن
کیا کروں اس دیدہِ گریاں کو میں
جس سے خونِ دل ٹپکتا ہے سدا
اس کو میں کیسے چھپاؤں کیا کروں

یہ نہ سمجھوکہ میرے دل میں جذبہِ الفت نہیں
میری نظروں میں جمال و حسن و خال و خط کی کچھ قیمت نہیں

دل میں ہے دردِ فراواں کا وفور اور نظر کے سامنے نزدیک و دور
اپنی بھوکی اور ننگی ماؤں بہنوں کا وجود
گاؤں کے جلتے ہوئے دیوار و در
اور کہساروں پہ ہر سو خون کے چھینٹے قطار اندر قطار
اور مری نس نس میں جوشِ انتقام

یہ نہ سمجھوکہ میرے دل میں جذبہِ الفت نہیں
میری نظروں میں جمال و حسن و خال و خط کی کچھ قیمت نہیں

کس قدر غمناک ہیں میرے وطن کے روز و شب
ہر طرف ہے لوٹ کا بازار گرم
بھوک اور افلاس کے عفریت ہر سو خندہ زن
ملتوی رکھوں بھلا کب تک حصولِ حق کی جنگ

یہ نہ سمجھو میرے دل میں جذبہِ الفت نہیں
میری نظروں میں جمال و حسن ، خال و خط کی کچھ قیمت نہیں

غیرت و ناموس کے پیہم تقاضوں کی صدا
اور اپنی بھوکی ننگی ماؤں بہنوں کا وجود
اپنی قوم اپنے وطن کی بیکراں الفت کا جوش
میں یہ سب کیسے بھلا دوں کیا کروں

یہ نہ سمجھو میرے دل میں جذبہِ الفت نہیں
میری نظروں میں جمال و حسن و خال و خط کی کچھ قیمت نہیں

میری آنکھیں دیکھتی ہیں ظالموں کے جورو استبداد کو
کان سنتے ہیں غریبوں ، بے کسوں کے نالہ و فریاد کو
دیکھتا ہوں میں کہ کھلیانوں سے اٹھتا ہے دھواں
جل رہی ہیں کھیتیاں
میرے ہونٹوں پہ نہ آئیں نغمہ ہائے انقلاب
ڈاکوؤں کو دے نہیں سکتا میں شیروں کا خطاب

یہ نہ سمجھو میرے دل میں جذبہِ الفت نہیں
میری نظروں میں جمال و حسن و خال و خط کی کچھ قیمت نہیں

دیکھتا ہوں سامراجی بھیڑیوں کو جب بھی میں
میرے سینے میں بھڑک اٹھتے ہیں نفرت کے شرار
میرا دل زخمی ہے ، میرا ہاتھ رک سکتا نہیں
کہہ رہا ہوں سچ کہ میرا جھوٹ سے رشتہ نہیں
مکر ، عیاری ، ریا کاری مراثیوہ نہیں

یہ نہ سمجھو میرے دل میں جذبہِ الفت نہیں
میری نظروں میں جمال و حسن و خال و خط کی کچھ قیمت نہیں

دیکھتا ہوں میں کہ تیور وقت کے
کس طرح تبدیل ہوتے جا رہے ہیں دم بہ دم
اور جب تک کٹ نہیں جاتی ہے شاخِ ظلم و جور
محفلِ عیش و طرب میں کیسے آسکتا ہوں میں؟
کس طرح دھیمے سروں میں گیت گا سکتا ہوں میں ؟

یہ نہ سمجھو میرے دل میں جذبہِ الفت نہیں
میری نظروں میں جمال و حسن و خال و خط کی کچھ قیمت نہیں

چل اڑ جارے پنچھی

ڈاکٹر عطاء اللہ بزنجو

محمد رفیع نہ صرف گانا گاتے تھے بلکہ خود سروں میں ڈھل جاتے تھے۔ وہ موسیقی کے افق پر نغمگی کے ماہتاب اور سروں کے آفتاب بن کر اپنی آواز کا جادو جگاتے رہے۔ جس کی آب وتاب آج بھی قائم ودائم ہے۔ محمد رفیع نے اپنا رشتہ اس دھرتی سے جوڑے رکھا جبکہ ان کا فن آسمان کی بلندیوں کو چھوتا رہا اور پوری کائنات کو اپنی سحر میں لیتا رہا۔ جھرنے، دریا، سمندر سبھی ان کے ہمنوا ہوتے ہیں۔ ایسی آواز کہاں مرتی ہے بلکہ ان کی ہر برسی کا دن ان کے ایک نئے جنم کی کہانی رقم کر جاتا ہے۔

محمد رفیع گیتوں کی دنیا کا بے تاج بادشاہ ایک انمول درخشاں درد بھری آواز، دکھوں کے سمندر کی لہروں کو جلا بخشنے والا عشق ہے تو میں موج ہوں تو مجھ میں ہے اور میں تم میں، گنگا کی موج اور جمنا کا دھارا، ہوئی شام تو ان کا خیال آیا جو ہمارے لئے گاتا تھا اور ہمیں پکارتا تھا۔ اب ہم اسے سنتے ہی رہتے ہیں۔ آجا مجھ کو پکارے میرا پیار، لیکن اب وہ کہاں؟ سنتے سنتے سہانی رات بھی ڈھل چکی، اور لوٹ آئی صدا میری ٹکرا کے ستاروں سے لیکن گنگا کی موج اور جمنا کا دھارا ستارہ بن گیا، اس کی روشنی اس کی مدبھری آواز مجھے تم یاد کرنا کیونکہ تم مجھے بھلا نہیں پاؤ گے، جب بھی میرے گیت سنو گے میرے سنگ سنگ تم بھی گنگناؤ گے۔ جہاں بھی گئے محفل لوٹ کر آئے، بے پناہ خوبیوں کے مالک محمد رفیع کی زندگی کے کئی رنگ ہیں۔ ان فضاؤں میں، ان ہواؤں میں محمد رفیع کا رنگ ،اُن کی خوبصورتی، دلفریب گفتگو اور انداز بیاں کو بیان کرنا میرے لئے انتہائی مشکل کام ہے۔ اُس کا فن اور اس کی شخصیت کھلی کتاب کی مانند ہے۔ اُسے پڑھنا آسان اُس پر لکھنا مشکل ہے۔

امرت سر کوٹلہ سلطان سنگھ جہاں محمد رفیع رہتے تھے۔ اپنے دو دوستوں لڈو اور سٹو کے ساتھ نہایت ہی شرارتی مزاج کے تھے۔ اور گاؤں میں اس وجہ سے جانے جاتے تھے۔ محمد رفیع کے والد کا نام علی محمد تھا۔ بیروزگار تھے، دردر لاہور کی گلیوں میں پھرتے رہے مگر روزگار نہیں ملا۔ یہاں نائی کی دکان کھولی اور روزگار کمانے لگے اس طرح محمد رفیع اپنے دوستوں سے بچھڑ کر نائی کی دکان کی نظر ہو گئے۔ اور محمد رفیع کا پورا خاندان لاہور میں رہنے لگا۔

محمد رفیع نے کلاسیکل سے لے کر قوالی تک ہر قسم کے گانے گائے۔ محمد رفیع کو گانے کے لیے کسی خاص موسم کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ وہ ہر موسم کو بے ایمان سمجھ کر اپنی آواز کا جادو سماعتوں سے دل کی اتاہ گہرائیوں میں اُتار دیتے تھے۔ محمد رفیع نیک دل انسان تھے۔ فقیروں جیسی طبیعت رکھتے تھے۔ ان گنت مفت گیت گائے ہیں۔ وہ جتنے بڑے گلوکار تھے اس سے بڑے انسان تھے۔ خوش مزاج شخص چائے اور میٹھے کے بہت شوقین تھے۔ سروں کا فنکار کیرم بورڈ اور بیڈمنٹن کھیلتے تھے۔ کرکٹ صرف بیٹنگ کرنے کے لیے کھیلتے تھے۔ بچوں کے ساتھ محبت اور میٹھی آواز میں بات کرتے تھے۔ شعلے اس اُن کی پسندیدہ فلموں میں شامل تھی۔ دوستوں کے کہنے پر گاتے تھے۔ جتنے سادہ تھے اتنے ہی شرمیلے۔ سُروں کے مالک محمد رفیع گانا گانے کے بعد کبھی کبھار رو بھی پڑتے تھے۔ جتنا مضبوط اور اتنا کمزور انسان ہی تو ہوتا ہے۔ بچپن کا شرارتی محمد فیع جوانی کی سادگی اور آواز کی دنیا کا بے تاج بادشاہ اتنا مزاحیہ اور سادہ مزاج، میری روح کی حقیقت میرے آنسوؤں سے پوچھو

میرا مجلسی تبسم میرا ترجمان نہیں

محمد رفیع نے جگنو فلم کے لیے (یہاں بدلہ وفا کا بے وفائی کے سوا کیا ہے) گا کر خود کو ایک کامیاب گلوکار کے طور پر منوایا۔ ''بیجو باورا''، فلم اور ''دنیا کے رکھوالے'' نے محمد رفیع کو اونچائی پر پہنچا دیا۔ نوشاد کے دو گیت جو اس فلم کے لیے تھے۔ واقعی وہ گنگا اور جمنا کا عکس تھا۔ یہاں سے مینا کماری بھی اداکاراؤں کی صف میں شامل ہو گئیں۔ نوشاد کی کمپوزیشن، شکیل بدایونی، مجروح سلطان پوری، آنند بخشی، حسرت جے پوری، ساحر لدھیانوی کی شاعری اور محمد رفیع کی آواز ہندوستان کی پہچان بن گئے۔ اور یہاں سے نوشاد محمد رفیع کے چاہنے والوں میں شامل ہو گئے۔ محمد رفیع اور نوشاد کا ساتھ آخر تک رہا۔ تبھی تو ممبئی میں ڈھونڈتے ڈھونڈتے نوشاد کے گھر تک پہنچ گئے۔ نوشاد کو محمد رفیع بہت پسند تھے۔ اس سے کئی گانے گنوائے۔ اور اُن سے کہا کہ آپ ایک دن بہت بڑے گلوکار بنیں گے۔ اور خود نوشاد بھی بڑے سنگیت کاروں میں تھا۔ ساحر لدھیانوی شکیل بدایونی، آنند بخشی کیفی اعظمی، سلطان جے پوری کی شاعری اور محمد رفیع کی آواز نے ہندوستان کی فلمی دنیا کو ایک نئی ڈگر پر ڈال دیا۔ دوسری طرف او پی نیر بھی ایک بڑے سنگیت کار ابھر کر سامنے آئے۔ او پی نیر واحد بڑے سنگیت کار تھے۔ جنہوں نے لتا منگیشکر کو میوزک دیے بغیر نام کمایا۔ اور نوشاد کے سنگیت کو محمد رفیع نے کہاں سے کہاں تک پہنچایا۔ قدم بہ قدم دونوں آگے بڑھتے گئے۔ اور ہندوستان کے سر کو فخر سے نا صرف بلند کیا بلکہ انڈین سنگیت کو وہ مقام دیا جنہیں آج بھی سنتا اور دیکھا جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں محمد رفع گانے گاتے نہیں تھے دو گانا ہو جاتے تھے، ڈوب جاتے تھے۔ واقعی وہ چودھویں کے چاند تھے، لا جواب تھے، آفتاب تھے۔

زلفیں ہیں جیسے کاندھوں پے بادل جھکے ہوئے
آنکھیں ہیں کہ جیسے مے کے پیالے بھرے ہوئے
مستی ہے پیار کی تو وہ شراب ہو ۔

محمد رفیع نے درد بھری گلوکاری میں کبھی نشے کا سہارا نہیں لیا۔ محمد رفیع نے زندگی میں کبھی شراب نہیں پی۔ وہ خود ہی نشے میں چور چور ہو کر گاتے تھے۔ ریکارڈنگ کے بعد اپنی آواز خود سنتے تھے۔ اور پھر گانے کو ریلیز کرنے کو کہتے تھے۔ نوشاد نے محمد رفیع کے لئے 149 گیتوں کی دھنیں بنائی، او پی نیر نے 97 شنکر جے کشن نے 34، مدن موہن سنگیت کار کے ساتھ بھی محمد رفیع نے کام کیا۔ روی جی کے علاوہ ایس ڈی برمن فلم پیاسا سامنے آئے لکشمی کانت اور پیارے لال نے 369 دھنیں تخلیق کیں۔ شنکر جے کشن محمد رفیع کے مداحوں میں شامل تھے۔ موہندر کپور کو انڈسٹری میں محمد رفیع لے کر آئے، موہندر کپور محمد رفیع کو اپنا استاد مانتے تھے۔ کشور کمار کے لئے بھی محمد رفیع نے گایا۔ شمی کپور ایک مرتبہ ریکارڈنگ روم میں گئے اور محمد رفیع سے کہا ایسا کرو کہ لٹکے جھٹکے والی گیت دو۔ اور محمد رفیع نے ایسا ہی کیا۔ فلم ''تم سا نہیں دیکھا'' کے گیت اور سنگیت شمی کپور کے مزاج کے مطابق ہی کمپوز ہوئے۔ کشور کمار، مکیش، مناڈے، ہیمن کمار، موہندر کپور، آشا بھوسلے، طلعت محمود سب کے ساتھ اچھا اور مخلصانہ رشتہ رہا۔ کندن لال کے ساتھ جب محمد رفیع نے سلطان پوری کی شاعری کی دو لائنز گائیں تو انہوں نے کہا کہ مجھے سارا جہاں مل گیا۔

''تم جو مل گئے ہو ایسا لگتا ہے سارا جہاں مل گیا ہے''

محمد رفیع نے روتے ہوئے، ہنستے ہوئے ہر رنگ، ہر انگ میں اپنی آواز کا جادو جگایا ہے۔ ساحر لدھیانوی کا لکھا ہوا گیت ''بابل کی لیتی جا'' جو انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی کے لئے گایا تھا تو لوگوں کی آنکھیں نم ہوئیں۔ راجندر کمار، جانی واکر، دلیپ کمار، منوج کمار نے کہا ہے محمد رفیع کے گیتوں سے دل سدا مچلا ہے اور مچلتا رہے گا۔ سراج خان کہتے ہیں محمد رفیع نے اپنے گیتوں کا جو درد ہے ہمارے لئے چھوڑا ہے وہ میں ہمیشہ ان کی یاد دلاتا رہے گا۔ ان کی آواز کی بازگشت ساری دنیا میں سنائی دیتی رہے گی۔ چاہے بنا دو چاہے مٹا دو مر بھی گئے تو دینگے دعائیں۔

یہ وہ انتہا ہے جو محمد رفیع کے دل کے اندر کی آواز اور دھڑکن تھی۔ اس راز کو آج تک کوئی جان نہ سکا۔ میرے گیت دنیا نے سنے مگر میرا درد کوئی نہ جان سکا۔ محمد رفیع کے ساتھ قسمت کا ہاتھ کم اور محنت زیادہ ہو رہی ہے۔ شروع کے دنوں ریکارڈنگ کے بعد وہ ایک مرتبہ سٹوڈیو کے باہر کھڑے رہے اور باقی سب چلے گئے۔ جب نوشاد وہاں آئے تو پوچھا کیوں اکیلے کھڑے ہو تو پتہ چلا کہ جانے کے لیے محمد رفیع کے پاس کرایا نہیں، پیسے اسے ریکارڈنگ کے فوراً بعد کہاں ملتے، بین کر نوشاد کی آنکھ بھر آئی۔ محمد رفیع جب زندگی کی بلندیوں کو چھونے لگا تو محفلوں کی جان بن گیا۔ ایک مرتبہ اسے سٹیج پر بلایا گیا اور فرمائش کی گئی کہ محمد رفیع جو چاہتے ہو آ کر بتائیں تو محمد رفیع نے صرف اتنا کہا کہ میں میڈیا والوں، اخبارات، ریڈیو، ٹی وی کے دوستوں سے گزارش کرتا ہوں مجھے اکثر یہ رفیع کہہ کر پکارتے ہیں میرا نام محمد رفیع ہے مجھے اسی نام سے پکارا جائے۔ ورنہ وہ اس سٹیج پر کچھ بھی مانگ سکتے تھے۔

محمد رفیع کے اندر انسانیت کے لیے درد اور احساس تھا۔ وہ اپنے سیکرٹری ظہیر احمد نامی شخص کے ذریعے غریبوں کی مدد کرتے تھے۔ اور کسی کو پتہ لگنے نہیں دیتے۔ وہ الحاج تھے۔ اپنے انتقال سے پہلے نوشاد کے پاس آئے اور کہا میں امریکہ جا رہا ہوں ایسی کیا چیز لاؤں جس سے لوگوں کا بھلا ہو سکے۔ نوشاد نے کہا آپ ڈائیلاسز کی مشین لائیں۔ جس سے لوگوں کا بھلا ہوگا۔ جب امریکہ سے لوٹے تو جدید ڈائیلاسر کی مشین ساتھ لے کر آئے اور ممبئی کے کسی ہسپتال میں دے دی۔

محمد رفیع کو نیشنل ایوارڈ دیا گیا، چھ فلم فیئر ایوارڈز سے بھی نوازا گیا، پد ماشری ایوارڈ بھی حاصل کیا۔ آپ ان ایوارڈوں سے بالاتر تھے۔ رنگ و نسل سے بالاتر انسان جس کے اندر گلوکاری کے علاوہ اور بہت ہی اچھائیاں تھیں۔ جسے لوگ ہمیشہ اپنے درمیان دیکھنا چاہتے تھے۔ جے پرکاش کہتے ہیں 30 جولائی تک محمد رفیع ریکارڈنگ کرتے رہے۔ فارغ ہو کر گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے تھوڑی دیر سوچوں میں گم رہے۔ پھر خیال آیا چار لائنیں ہیں انہیں بھی ابھی ریکارڈ کروالوں۔ فلم آس پاس کے یہ بول آج بھی ہم جیسے کروڑوں انسانوں کے دلوں پر راج کرتے ہیں۔ کیا خبر تھی کہ یہ محمد رفیع کی زندگی کے آخری بول ہوں گے۔

''تیرے آنے کی آس ہے دوست
شام پھر کیوں اداس ہے دوست
مہکی مہکی فضا کہتی ہے
تو کہیں آس پاس ہے دوست''

رمضان کا مہینہ جمعے کا دن 31 جولائی 1980ء کو محمد رفیع انتقال کر گئے۔ اُس وقت کی وزیر اعظم اندرا گاندھی نے کہا آج انڈیا کا ایک باز وٹوٹ گیا ہے۔ کسی نے شمی کپور کو شوٹنگ کے دوران کہا آپ کی آواز چلی گئی۔ بارش ہو رہی تھی آسمان آنسو بہا رہا تھا۔ بادل گرج رہے تھے۔ گھٹائیں خاموش ہو گئی تھیں۔ (گھٹا میں چھپ کے ستائے فنا نہیں ہوتے) کیا ہندو، کیا سکھ، کیا مسلمان، کیا عیسائی بھی باندرہ کی مسجد میں شامل ہونے کے لیے بھاگے جا رہے تھے۔ میت کو جنازے کے لئے لے جایا جا رہا تھا تب بھی آسمان آنسو بہا رہا تھا۔

''فضا رنگین، ادا رنگین، یہ تر سا کے چلے جانا'' محمد رفیع کی طرح۔۔۔ ''جہاں تو ہے وہاں میں ہوں'' ہوئی شام تو اُن کا خیال آیا۔۔ تو تو نہ آئے تیری یاد ستائے۔۔ ساحل پکارتا ہے سمندر چلا گیا۔۔۔ دنیا سے موسیقی کا پیمبر چلا گیا۔۔۔ لوٹ کر آنا جا رہے ہو کہاں۔۔ چل اُڑ جا رے پنچھی اب یہ دیس ہو بیگانہ لیکن اس بار پنجرا اُڑ گیا اور پنچھی یہی رہ گیا۔ یقیناً ایسے انسان جو لاکھوں، کروڑوں انسانوں کے دلوں میں دھڑک رہا ہو وہ پنچھی کہاں اڑ سکتے ہیں۔

زندگی کے میلے دنیا میں کم نہ ہوں گے
افسوس ہم نہ ہوں گے
ہوں گی یہی بہاریں الفت کی یادگاریں
کوئی نہ ساتھ دے گا سب کچھ یہیں رہے گا

مومل رانڑو

شیخ ایاز/شاہ محمد مری

پانزدمی صدی ءِ شروع ءَ ''راجانند'' نامیں گوجر ذات ءِ یک سردارے سندھ ءِ میر پور ماتھیلو ءِ حاکم اث۔ ہمشی 9 جنک اشنت ۔ شمانہاں مومل زیات زیبا اث او سومل زیات پوہ۔

یک روشے حاکم وتی درباریاں پچی ءَ سندھ کور ءِ کندھیاں شکار ءَ کنغا یث ۔ ناغماں دریا اندرا یک رسترے (سوئر) دیشئی ۔ ہماں رستر شتہ دیما بیاناں او کئور شتہ ہُشک بیاناں۔ حیراں بیشہ او ماذن رستر ءَ رندا داشئی ۔ نزی پجشو تیرے جشو گُشتئی ۔ خیال آتکئی کہ ہمشی جان ءَ اندرا ضرور چیزے استیں کہ آف ءَ ہشک کنت ۔ آنہی ءَ رستر ٹُکر ٹکر کشہ ۔ او یک یک ٹُکر کئور ءَ سٹشو آزمائنغ شروع کشئی ۔ آخر آنہیا سما کپتہ کہ ہمے کار یک دتانے ایغ اث ۔ ہمے دتان ءَ مذتا گوں کئور لانگھشو گڑتو محل ءَ آتکہ۔ سوکا سوکائی وتی دراہیں خزانہ کئور ءَ اندرا للکینتئی ۔ کس ءَ سمادِہ نہ کپتہ۔

یک پخیرے ءَ جادو زورا ہمے خزانہ ءَ باروا سما کپتہ۔ دل ءَ گوشتئی کہ ہمے خزانہ دستی کنغی ۔ پخیر چراناں ہمے علاقہ ءَ آتکہ او ہماں دتان ءَ دزغئے تدبیراں ماناتکہ۔ یک روشے سما کپتئی کہ حاکم وتی درباری آں پچی ءَ دِیریں مسافری اے ءَ روغئیں ۔ پخیر محل ءَ نزیخا آتکہ او او باز ڈکھی ایں فریاداں شروع بیشہ۔ مومل ءَ حال رستہ تہ پخیر لوٹائینتئی کہ ''او بزرگ ، چے لوٹئے ؟''۔ پخیر ءَ ولدی داشہ ''مئیں چُک مناں ہمنگیں مرضے لگڑتی ایں کہ سوئر ءَ دتان ءَ سواتی ہچ علاج نیست اینی ۔ گوئڑ تئو تاں چیز کم ایں ، ھذا ءَ ہر چی ترا داشہ۔ ہیل کشو آتکغاں کہ کزئیں تئی دروارغ ءَ ژہ مناں وتی دوا رسی ، بستئو آتکغاں ۔ دوہمی ہچ شئے مناں گزرنہ ایں''۔

مومل ءَ گیرآتکہ کہ آنہی پشا گوئڑ ہمے دتان استہ ۔ اندرا شتہ اور دروکا رندا پولشو دیشئی اور آڑتو پخیرا داشئی ۔ پخیر نیخیں دعایاں کناں شتہ۔ کئور ءَ پجشو ہماں دتان ءَ گوں کئور ہوشیں تئ ۔ او حاکم ءِ دراہیں خزانہ کشتئو دِیر شتئو شہرے ءَ نشتہ کہ عیشا گوں زیندھ ءَ گوازینی۔

راجانند کہ مسافری ءَ ژہ گڑتو آتکہ تہ روشے خیال آتکئی کہ برّواں وتی خزانہ ءَ گنداں ۔ پر دتاں کہ نئیشئی تہ ہشک وحیراں بیشہ۔ محل ءِ کنڈ کنڈ پولائینتئی پر دتانا نہ ملغی ءَ نہ ملشہ۔ آخر پول گولا کناناں سما کپتئی کہ مولا دتاں پخیر ءَ داشہ۔ زہر ءَ دکشہ ۔ مومل ءَ کُشغ ءِ ارادہ کشئی۔ ہمے وختا سومل ءَ باز عقل ءَ گوں کار گپتہ ۔ عاجزی ءَ گوں منت ءَ کناناں پشا گوشتئی کہ ہر ڈولے کہ بی مس خزانہ ءَ گڑدیناں۔

مومل جادو ءَ باز وستا ذات اث ۔ باز روشا دَہ فکر و گنڑتی کشو وتی گُل گہار او مولد زڑتئو جیسلمیر ءَ پلوا لڑشہ۔ جیسلمیر ءَ نزیخا شہرے اث لڈانو نامیں ۔ ہمے شہر کاک نامیں کئور ءِ کندھی ءَ اث۔ سومل کہ ہمے شہر ءَ پجشہ تو آں باز وہش آتکئی ۔ کاک ءِ کندھی ءَ یک سنہڑائیں ہندے ءَ آنہی ءَ جادوئی محل اے ٹاہنیتہ ۔ ہمے ماڑی ءِ چیاریں کنڈاں اکھر سنہڑائیں باغے جشئی کہ آنہی اندرا لون لون ایں پُل اشنت۔ باغ ءَ چیاریں کنڈاں ہمنگیں ولکوئیں دگ ٹاہینتغنتی کہ یک دھکے پیہغ ءَ پذ ءَ در کفغ گران اث ۔ تونڑیں (ستون) آں گوں اوار کشتغیں شیشہ ءِ یک جادوئی تلابے ٹاہینائیں تئ کہ مڑدم حیران ءَ بیث ۔ محل ءِ درداز غانی چکا چیاریں پلّواں چار ہمنگیں ہڑمبناخیں مزار ٹاہیں تغنتی کہ آنہانی ہڑمینوخیں صورت او آزمان ءَ پلوا کڑو بیثغیں گڑدن دیث بہادرانی دل دِہ آفہ بیث ۔ دیوان خانہ ءَ ہپت ہمنگیں زیبائیں جھیٹو ٹنگشغ انت کہ شمانہاں شش جھیٹو کر پاس ءِ نازلکیں بندیخاں بستی ایشت او یک جھیٹو اے مضبوطیں ساذا گوں ، سری شش ایں جھیٹو آنی شیر ءَ ہمنگیں خطرناکیں کڈ پٹائینتغنتی کہ دیشہ نہ یا تکنت ۔

نیں کہ ہمے جادوئی محل ہر سینگھار ءَ گوں پیلہ بیشہ تہ سجہ ایں گہار او مولد سمارٹی ءَ سینگھارتی ءَ ہمشی اندر ساہڑا تغنت چو کہ موخوئے سہنڑائیں داماں ٹاہین انت شکار ءَ پہ نندانت ۔ دراہیں شہر ءَ اعلان کنغ بیشہ کہ ہر کسے کہ باغ ، تلاب او مزارانی خطرہ آں ژہ بچی او سر سلامتی ءَ مومل ءِ جھیٹو ءَ دَہ پچی تہ مومل ہمانہی ءِ۔

لڈانو شہر یک مزنیں تیرتھ اے اث ۔ دِیر پاندیں ڈیہانی سوذاگر او سردار ہموذا کاتک ششت ۔ آنہاں کہ مومل ءِ صورت ءِ اش کشہ تو مال و مڈی ءَ پُری ءَ جادوئی محل ءَ پلوا رمغانی ڈو لا آناں شتغنت ۔

جادوئی محل ءَ درواز غ ءَ چکا یک مزائیں نغارہ اے ایراث ۔

ہر کسے ءَ کہ مومل ءَ کُٹغ ءِ واہگ بیث ، تہ ہمانہی ءَ نغارہ وجینت ۔ نغارہ ءِ توار ءَ گوں مومل ءَ کلاں تیاری ءِ حکم داث ۔ شہ کلاں عقل مندیں مولد ''ناتر'' اث ۔ ہماں در ءَ دیم دیغ بیث ۔ آنہی ءَ ہمے نوخ آمدو تی پچی ءَ کاڑت او کمڑ و دیر ءَ پذ وث گار ءَ بیث ۔ مہمان یاتہ ولکوئیں دگ ءَ گار بیث یا گڑہ جادوئی تلاو، خطرناخیں مزار او دوہمی ہڑمبینوخیں سوادھاں تڑسشت ۔ او وتی سجہ ایں تنگو او موتی ہموذا کشت کلاہیں کہ در ءَ در کپت او جوگی اے ٹہث او مومل ءِ جذائی ءَ جنگل جنگل در پہ دربیث ۔ ہمے ڈولا بازیں مہر ءِ جتغیں ناں وتی قسمت آزمائینتہ ، پر گُل ناکام ۔ بازیں محل ءِ اندر ءَ او در ءَ چڑی جشو جشو مڑتغنت ۔ او کاک کئور ءِ کندہی ہمانہانی یاد گارانی جیران ٹھیثغنت ۔

ہمے زمانغ ءَ سندھ ءِ تھر علاقہ ءِ تخت ءَ چکا سومرا سردار نشتی ایشت ۔ ہماں خاندان ءِ یک حاکم ہمیر سومرو سال 1400 ءَ تختا نشتہ ۔ بادشاہی بُن جاہ امر کوٹ اث ۔ آنہی سہ وزیر اشنت : ڈونر

بھٹی، سنٹر وڈ ما چاڑیں، او، رانا میندھرو۔ آں یکوو ثی پچی ءَ داشتگی۔ رانا میندھرو ءِ گہار ہیمر سومرہ ءَ داتی ءَ یث۔ چیاریں سنگت سیل و سواد ھا و شکار ءِ شونکی اثنت۔ یک دھکے ءَ ہے وشکیانی شکار ءَ پہ لڑثغنت، او آنہانی رند ءَ باز دیر در کپتغنت۔ جنگل ءَ سادھوے تر پٹیثیش۔ آنہی دروشم و دلیس و صورت اے ڈولین اے اث کہ آں باز عزتا گوں آنہی ءَ گوئر شتغنت۔ رانا میندھرو ءَ ادب ءَ گوں سلام کثہ او باز عاجزی ءَ گوں پول کثئی "مہاراج! ہئیر تہ استیں۔ آخر تہ اے بروبیوانا پچے زیندھا کنغا ییے؟"۔ سادھو دروکا چُپ بیثہ گڑہ گوشتئی "یک وختے مں دِہ شمئے ڈولا راج کمارے اثاں۔ پر نیں کاک ءَ جتغیں سادھوے یاں!"۔ رانا ءَ باز ہمدردی ءَ گوں پول کثہ "مہاراج۔ مہربانی ءَ کس حالا دئے شوں ہمنگا بیثہ؟"۔ جوگی گنڑتی ءَ کپتہ۔ساڑتیں ساہی اے کشتو گوشتئی"، موملءِ صورت و زیبائی ءَ مناں گنوخ کثہ۔ یک وختے ءَ مں دِہ آنہی دیذار ءَ کاک ءَ شتغاں۔ پر ہے جادو او سحری زیبائیں زالانی اگھانا کام بیثغاں۔ سجہ ایں مال و مڈی قربان کثوں۔ او آخر کار لڈانو اِشتنو اے بیواناں آتکغاں"۔

ہے دڑدی ایں قصہ اش کثو چیاریں سنگت حیراں بیثغنت۔ دل ءَ قول کثیش کہ توڑیں ہر ڈولے بی، مومل ءَ یک دھکے ضرور گندوں۔ جوگی ءَ ژہ موکل گپتو چیاریں سنگت کاک ءَ پلو ءَ لڑثغنت۔ سے چیار روش ءَ پندھا رند ءَ یک بیگھ ئے ءَ سر بیثغاں۔

مومل ءَ ہے چیار ینانی آغ ءَ حال شف ءَ بیثغث۔ بانگھ کہ بیثہ تو وثی خاصیں مولد سینگھار تو سمار تو آنہانی دراہی ءَ دیم داثئی۔ ناتر ءَ باز ادب ءَ گوں سلام کثہ او ہر یکے اگھا تالی اندر ءَ بھگڑا او بندیخ ایر کثغنت۔ رانا ءَ سوا دوہمی کلاں بھگڑا واڑ تغنت اوگرنچ بندیخانی بیثغیں جذاء کنغا ماتثلغنت۔ رانا ءَ بھگڑا یانی پلوا دیستہ دِہ نہ۔ تالی زڑتو وثی ماذن ءَ دیما ایر کثہ اوگرنچ بیثغیں بندیخ ءِ گچھا ٹکر ٹکر کثو یک ہارے ٹاہینتہ او ماذن ءَ گڑدن ءَ بستہ۔ ناتر ءَ گوشتئی "بروو ثی بانک ءَ ہے حالا دئے"۔

ناتر حیراں بیثہ، ہرچی کہ دیثئی آتکو مومل ءَ حال داثئی۔ موملا آزمائشا پہ حلوہ ءِ تالی اے دیم داثہ۔ رانڑا ءَ کہ تالی دیثہ تو برشکنداناں ناتر ءَ گوشتئی۔ "تئی گودی ءَ مارزالے لیکثہ کہ اے زنانہ خوراک دیم داثئی؟"۔ یسی دھکا موملا باز ڈولیں وہڑ دٹاہینا ئیں تغنت او کلانی اندراز ہر ماں کثغنت۔ ناتر ءَ عزتا گوں ہے سفارغ آڑتو گوشتئی "اے چیز منی گودی ءَ خاص پڑتو وثی دستاں تیار کثغنت او دزبندی کثئی کہ مہربانی بکن وہش کس بوئراش"۔ ہمیر او آنہی سنگت زمب ءَ زیر و خنت کہ رانڑا ءَ دھڑکو داثہ۔ دوسہ زمب وٹ ءَ جلثغیں بینگے ءَ سٹئی کہ سذت مُڑتہ۔ ہمیر او سنگت زہر ءَ پُر بیثغنت گوشتیش "جُز بروں وثی ملکا۔ اے خطرناخیں ہند پر مامناسب نہ ایں"۔ رانڑا ءَ ولدی داثہ "پذ کنزغ بہادرانی کار نہ ایں"۔

ناتر ءَ موملا گوئر شتو سجہ ایں حال داثہ۔ باز عاجزی ءَ گوں دزبندی کثئی کہ رانا ڈولیں پوہیں او سنہڑائیں راجکمار ہچ ہندے نہ گو آہنت۔ جوائیں کارے بی کہ مومل آنہی ءَ وثی مڑد کنت۔ مومل ءَ اش کثو ناتر گوں سفکیں پچماں دیستہ او گوشتئی "دفادار گستاخ۔ مں دنیا ءَ وثی چک ءَ کندغ نئیلاں۔ بروگوئشی کہ اغر ہمکر پوہ و بہادرے تہ بیادیما"۔

مومل ءِ پیغام کہ آتکہ تہ چیاریں سنگتاں ژہ سری سری ہمیر تیار بیثہ او ناتر ءَ پچی ءَ لُرثہ۔ چوکہ باغ ءِ درواز غا ژہ در کپتو چپ وچوٹیں راہاں گام ایر کثئی تہ ناتر گار بیثہ۔ بس گڑہ ہمیر دِہ ایذا او ذارذ بیاناں شتہ۔ جادوئی محل ءِ ہژ مناخیں چاگرد ءَ آنہی دل آف کثہ۔ آخر کار کفاناں کڑو بیاناں آتکو او طاق ءَ بچثہ سنگتاں گوشتئی کہ "مومل ءَ خیالا دلا ژہ کشیں"۔ رانا ءَ ولدی داثہ کہ تہ وثی قسمت آزمائینتہ۔ نیں ما گندوں کہ چے کثہ کنوں"۔

دوہمی او سیمی شفا ہمیر ءِ دوہمی سنگتانی حال دِہ ہماں بیثہ کہ ہمیر ءِ بیثغ اث۔ آخر کار چیارمی شفا رانا تیار بیثہ۔ جادوئی ماڑی ءِ اندری او دری چیزاں آں دِہ باز ہژمبینتہ پر ہماں بہادر ہمتا کناناں شتہ۔ نیں کہ جادوئی کمب ءِ کندھی ءَ بچثہ تہ ترُسثہ۔ پر سذت وثار سنبھالتی۔ آنہی ءَ جیب ءَ ژہ چھالیہ اے کشتہ او کمب ءَ اندرا سٹثہ۔ آنہی ءَ سما کپتہ کہ کمب بس چم ءَ دھوکہ اے۔ آں دیما شتہ گزاناں او محل ءِ خاصیں درواز غا بچثہ۔

مومل بڑزی منزلا ژہ کل چیزاں گندغا یث۔ سذتی یک خاصیں مولدے محل ءَ درواز غا رانا ءِ دراہی واستقبالا پہ دیم داثئی۔ آنہی ءَ آں دیوان خانہ ءَ بڑتہ او باز ادبا گوں گوشتئی "تہ ہے جھیثو چکا آراما گوں نند، مں وثی گودی ءَ حال ءَ دیاں"۔ یک ڈولیں ہپت جھیثو دیثو رانا ءَ شک کپتہ۔ فکر کثئی کہ پک ہمیذ اا سرارے استیں۔ ہے خاطرا نندغا پیش کمان ہر جھیثو ئے ءَ بجیثو آزمائیناناں شتہ۔ گڑہ جھلا پتار تغیں قالین و غالی دیر کثو ہماں ہژمناخیں غار دِہ دیثغنتی کہ اندرا جلشکو خیں تیزیں نیزغ جثی ایث انت، کہ بلاں جھیثو ءَ کفوخیں مڑد ٹنگ ٹنگ بی۔ رانا ءَ سما کپتہ کہ چھڑو ہپتمی جھیثو ءَ ہچ خطرہ نیستہ۔ دِرک داثو ہمانہی ءَ نشتہ۔ او مومل ءَ انتظار کثئی۔ مومل ءَ کہ ہے کل کار دیثہ تہ مجبور بیثو یک باندی اے ءَ گوں پیغام دیم داثئی کہ "مہربانی ءَ کس بڑزا بیا"۔ رانا کہ باندی پچی ءَ بالا خانہ ءَ بچثہ تو دیثئی کہ بازیں زیبائیں یک ڈولیں جنک جلشکو خیں جراں جاناں کثی ءَ سینگھارتی ءَ صف پہ صف نشتی ءَ ینت۔ رانا آنہانی صورت دیثو حیران بیثہ۔ گنڑیں آں کپتہ کہ اشانی اندرا مومل تاں یکیں۔ دیثئی یک پرّ کے بالا کنغئیں۔ ہے پرک مومل ءِ پُٹانی وٹا چر غا یث۔ پوہیں رانا ءَ کہ مومل ءِ معلوم بیثہ تہ باز مہر ءَ گوں آنہی پلو اشتہ۔ مومل پیشا ژہ آنہی پوہی او بہادری ءَ ژہ متاثر اث، اے آخری آزمائشا دِہ آنہی دل موم کثہ۔ دیما شتو باز شونک ءَ گوں گوشتئی "او بہادریں دلدار۔ تہ مناں کثہ۔ نزیخا بیا کہ ترا بھانکر کناں"۔ رانا

ءِ دراہیں شف مولّ ءِ کُٹ ءَ گوَستہ۔ بانگھا آں وثی سنگتانی ملغ ءَ مولا ژہ موکل ءَ پہ تیار بیثہ۔ پر مولّ آنہی جذائی سگغ ءَ پہ تیار نہ ویثہ۔ آخر باز اقرار و قولاں رندا رانا ءَ مولّ موکلائینتہ۔

رانا ءَ وثی سنگتاں دراہیں قصہ کثہ۔ کل آنہی وش بختی ءَ حیران بیثغنت۔ ہمیر ءَ گوَشتہ: ''ماباز وہش بیثغوں کہ ترا مولّ ءَ ڈولیں زیبائیں جنکے نصیب بیثہ۔ مئیں دلی ارمانیں کہ یک دھکے مس دِہ آنہی ءَ گنداں۔ رانا ءَ ولدی داثہ۔ ''مناں تہ تئی ٹوک دوئیں چماں منظوریں پر مولّ ہچ صورت ءَ ہے ٹوک ءَ نہ منّی۔ اگر تہ جائی ہے خواہش ءَ دارئے تہ ولیس ءَ مٹائیں جُز۔ بیثہ بی کہ کامیابی بی''۔ ہمیر ءَ ہے ٹوک وہش نیا تکہ۔ پر دوہی ہچ بھیر دِہ نیستہ۔ مجبور بیثو یک میہی والائے ولیس کثو رانا ءَ سنگت بیثہ۔ مولّ پکھیئی ءَ ژہ رانا ءَ پہ ہیل اث۔ باز دوستی او مہر ءَ گوں رانا بھانکر کنغا پہ اگھا آتکہ۔ پر رانا بچی ءَ کہ یک ناپچھاروائے دیثئی تو حیران بیثو پول کثئی: ''اے کئے ایں؟''۔ رانا ءَ ولدی داثہ ''اے مئیں مڑدمے''۔ مولّ ءَ ہمیر ءَ صورتا ژہ حالت ءِ سما کپتہ۔ گوَشتئی ''اشی ءَ گوَش بروُمئیں میہی ءَ دوشی''۔ ہمیر مولّ ءِ حکم اش کثو دروکا حیراں بیثہ۔ پر مجبوراث کہ ہے کار ءَ پہ بروث۔ یکے تہ آنہی ءَ ہچبر ہے ڈولیں کار نہ کثغ اث۔ گڑہ میہی دِہ اکھر برّے اث کہ آنہی قابو کنغ ہمیر ءَ پہ گران اث۔ علاجاں گوں آں شیری سُر کے دوشغا کامیاب بیثہ۔ ہمکر زہراثی کہ شیر نوکراں بہر کثو داثغنتی او حال دیغا بغر محل ءَ ژہ در کپتہ۔

ہمیر سومر و وثی بے عزتی چکا رانا ءَ ژہ سُتکی ءَ اث۔ کاشندے دیم داثو گوَشتئی '' تئی سنگت گڑتو وطن ءَ روغا ینت۔ اغر کائیے تہ بیا۔ نا تیں لوغا پیغامے دیم دیغی تہ ڈس''۔ رانا کاشند گڑ دینۃ'' نیں پر مس ہر شئے مولّ ءِ مہرایں۔ نیں مئیں وطن ہمشیں''۔ مولّ ءَ کہ اش کثہ تہ گوَشتئی خامخاوثی سنگتاں گوں زہر گرغ جو آں نہ ایں۔ تہ وث برو او وش و خوشی ءَ موکلائین اِش''۔ رانا ءَ مولّ ءَ ٹوک قبول کثہ۔ پر آں کہ سنگتاں گوَرَ آتکہ تہ آنہاں اوار بیثو زوری ہشترے چکا بستہ او جھٹ جھمبا گوں امر کوٹ پلوا لڑثغنت۔ ہموزا پچثو رانا نظر بند کثیثش۔

مولّ ءِ جذائی ءَ رانا بے حال بیثہ مولّ دِہ شف روش بے آرام بیثہ۔ آخر کڑدے صلاح دیوخانی گشغ ءَ چکا ہمیر ءَ رانا بوتکہ۔ پرائے پابندی جثئی کہ نیں آں مولّ ءَ دیم ءِ دِہ نہ غندی۔

رانا مولّ ءَ بغیر بے آفیں ماہی بیثی ءَ یث۔ کڑدے روشا رند یک شفے ءَ وثی ترندیں مہری ءَ زوار بیثہ او شتو وثی دوستی ایں مولّ ءَ گالی بیثہ۔ ہے دُزی ءِ نندو نیاذ او درائی کڑدے روشا دَہ چلثغ انت کہ یک صبح اے ءَ کہ رانا کاک ءَ ژہ گڑتو امر کوٹ ءَ شتہ تو آنہی جرّاں کاک ءِ سوہریں حاخ لگڑتی ءَ اشت۔ آنہی زالا کہ اے دیثہ تو خیال کثئی کہ سیر و شکار ءَ اندرا رانا ٹپی بیثہ۔ آنہی ءَ رانا ءَ ہچ نہ گوَشتہ، بس ہمیر ءَ حال دیم داثئی۔

ہمیرا کہ دیثہ تہ گوَشتئی۔ ''اے رنگ تہ کاک ءِ حاخ ایغیں''۔ رانا ءِ قول ءَ بھورینغ ءَ چکا باز زہر آتکئی۔ آنہی ءَ مہری پاذانی شیرا میھ ٹو کائینثغنت او رانا دوار جیل ءَ داثئی۔

رانا قید و بند ءَ اندرا دیثو آنہی گہار باز موںجھا بیثہ۔ آنہی مڑد ہمیر ءَ آنہی موںجھائیں دیم دیثہ تہ پول کثئی۔ زالا باز منتاں کناناں دز بندی کثہ کہ ''ہر ڈولے کہ بی مئیں براثا آزات پہ کس ''۔ ہمیر ءَ وثی دوستی ایں زال ءِ وش دارغ ءَ پہ رانا معاف کثہ۔

رانا آزاد بیثو اغدہ مولّ ءَ گندغ ءِ کوشیشاں مان آتکہ۔ گیغ دیثو وثی دوستی ایں مہری ءَ گوَرَ شتہ تہ آنہی حالت دیثو باز موںجھا بیثہ۔ پر یکدم خیال آتکئی کہ ہے نسل ءِ یک دوہمی مہری اے دِہ استنیں کہ آسانی ءَ گوں کاک ءَ پچینی ثی۔

مولّ رانا ءَ پہ ہیل بیثو بیثو اکھر بے قرار بیثغث کہ ساہی آسائینغ دِہ گراں ترثئی۔ آنہی مزائیں گہار سوَل ءَ کہ دیثہ کہ مولّ شف روش پتڑ غ ئیں تو آنہی دل ءَ وش کنغا پہ شف ءَ رانا ءِ ولیس کثو بچی ءَ وفسغ شروع کثئی۔

رانا کہ ناغماں شف ءَ مولّ ءَ گوَرَ پجثہ تہ دیثئی کہ آں یک مڑدے بچی ءَ وپتی ایں۔ سری دل ءَ گوَشتہ زہم ءَ گوں دوئینانی سر ءَ گڈی۔ پر مولّ ءَ دلبریں صورت دیثو ارادہ بدل کثئی۔ کٹ ءَ وٹ ءَ وثی سہنڑائیں لٹ ایر کثئی او چپی ءَ پذ گڑتہ۔

بانگھا کہ مولّ ہاغہ بیثہ تو رانا ءِ لٹ ایری ءَ دیثئی۔ یکدم خیال آتکئی کہ دوشی رانا گوَرَ مس آتکہ پر مناں دوہمی مڑد ءَ کُٹ ءَ دیثو گڑتو شتہ۔ رانا دل ءَ صفا کنغا پہ مولّ ءَ بازیں کاشند دیم داثغنت، وس کثغنتی، پر رانا ءَ ہچ فرقے نیا تکہ۔ مولّ ءَ زیندھ عذاب بیثہ۔ روش وشف ہے گنڑتی اندرا یث کہ ڈولے نہ ڈولے رانا ءَ راضی کنت۔ بے قراری ءِ بازیں روشاں رند یک روشے آنہی ءَ سوذاگر ءَ ولیس کثہ او امر کوٹ ءَ پلو ءَ رائی بیثہ۔ ہموزا پچثو رانا ءِ محل ءَ دیما یک مزں شانیں کوٹوے ٹاہینا ئینتئی۔ چیزے روشا رند رانا ءَ گوں ملاخات بیثئی، او روغ آغ ودھاناں شتہ۔ آں جوائیں سنگت ٹھیثغ انت۔

یک روشے آں ''چوسر'' ءَ لیبو کنغئے شت۔ کہ مولّ ءِ بانسکاں ژہ گنڈ گھسکثہ۔ رانڑا ءَ پچھ آڑتہ کہ اے مولّ ایں۔ مولّ ءَ کہ دیثہ کہ آنہی راز سہرا بیثہ تہ آں رانڑا ءِ پاذاں کپتو وثی پاک بیغ ءِ باور ءَ دیغا شروع بیثہ۔ مولّ ءِ منت و دروہی آنی ہچ اثر نہ ویثہ او رانا بے مہری ءَ گوں در کپتو شتہ۔ مولّ باز بے امید بیثو گڑتو جادوئی محل ءَ شتہ۔

مولّ ءَ باز مزائیں آسے بالائینتہ۔ او ہما نہی اندرا وثار سٹ اِثئی۔ او ذارا نڑا ءَ دِہ مولّ ءِ ہے ارادہ ءِ سما کپتہ۔ آں دِہ کفاناں کڑ و بیاناں کاک ءَ پجثہ تہ دیثئی مزائیں آسے بلغئیں۔ دل ءَ ہماں آس ءَ پلو ءَ چکثہ او رانڑا دِہ ہے جموریں لمبو آنی گھوری بیثہ۔

میرا جی کی شاعری

مدیحہ لشاری

میرا جی کا اصل نام ثنا اللہ ڈار تھا۔ آپ کے والد ریلوے میں اسسٹنٹ انجینئر تھے۔ آپ کے والد نے دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی حسین بی بی تھیں۔ دوسری بیوی زینب بیگم سے سات اولادیں ہیں جن میں محمد ثنا اللہ ڈار، عزیز ثریہ، محمد اکرام کامی، انعام اللہ کامی، شجاع اللہ نامی، ضیاء اللہ، محمد کرامت اللہ شامل ہیں۔

باپ کے آئے دنوں تبادلے بچوں کی تربیت پر برے اثرات چھوڑے۔ جس کی وجہ سے میرا جی کی تعلیم بھی متاثر ہوئی۔ میرا جی کی زندگی کا سب سے بڑا صدمہ میرا سین کا عشق تھا۔ میرا سین ایک بنگالی لڑکی تھی۔ کھیل کے میدان میں ثنا اللہ ڈار نے ایک نظر دیکھا تھا جس نے ثنا اللہ ڈار کو میرا جی بننے پر مجبور کر دیا۔ اور یہ زندگی میں پہلی اور آخری ملاقات تھی۔ موت کے کنارے تک ثنا اللہ ڈار میرا جی ہی رہا۔

میرا جی کی کتابوں میں "میرا جی کے گیت"، "میرا جی کی نظمیں"، گیت ہی گیت"، "پابند نظمیں"، "تین رنگ" "مشرق و مغرب کے نغمے" نگار خانہ"، "خیمے کے آس پاس شامل ہیں۔

کسی بھی شخص کی شاعری کا تجزیہ کرنے کے لیے اس کے حالات زندگی کا جاننا ضروری ہے۔ میرا جی کی شاعری میں زندگی کی الجھنیں، غم اور افسردگی کے عناصر نمایاں نظر آتے ہیں۔ میرا جی صاحب سر م لوگوں کے لیے شاعری کرتے تھے۔ میرا جی کی یہ خواہش تھی کہ انہیں ذہین قاری ملے۔ میرا جی شعر کے محدود معانیوں کے خلاف بات کرتے ہیں۔ شعری مثال ملاحظہ فرمائیں:

الجھنوں سے کیوں ترا نادان دل گھبرا گیا؟
زندگی میں الجھنیں دلچسپیاں لائیں تمام
پیشتر تھا عمر کا پھل سادہ اور خام
الجھنوں سے پختگی کا رنگ اس میں آ گیا
دور افق پر شام سے پہلے تھا منظر سادہ کار
رات کے آنے سے پہلے آیا رنگوں کا جلوس

میرا جی کا رویہ ابہام اور ابلاغ کا درمیانی سطح کا تھا۔ میرا جی اپنے اشعار میں ایسے الفاظ استعمال کرتے کہ قاری ابہام اور ابلاغ کے درمیان رہتا۔ میرا جی کی شاعری کو پڑھنے کے بعد یہ محسوس ہوتا کہ ان کی زندگی کے تجربات سے میرا جی کے ہاں جبلت اور جنسی نفسیات کے مخصوص پہلو نظر آتے ہیں۔ میرا جی اس حوالے سے اپنی نظم میں لکھتے ہیں:

میں جنسی کھیل کو صرف اک تن آسانی سمجھتا ہوں
ذریعہ اور ہے معبود سے ملنے کا دنیا میں
تخیل کا بڑا ساگر، تصور کے حسین جھونکے
لیے آتے ہیں بارش میں تمنائیں عبارت کی
مگر پوری نہیں ہوتی، تمنا دل کی چاہت کی!

میرا جی جس عہد میں زندگی بسر کر رہے تھے اس وقت مختلف تحریکوں کا عہد تھا۔ سب سے بڑی تحریک نو آبادیاتی سوچ کی تھی۔ میرا جی موضوعاتی، اور فنی اجتہاد میں قدم اٹھائے چلے جا رہے تھے۔ میرا جی کا موضوعاتی، جمالیاتی اور تاثراتی رویہ ان کی شاعری میں صاف نظر آتا ہے۔ میرا جی دور بین شاعر ہیں۔ اُس نے موضوعات کا تنوع ایسے اختیار کیا ہے کہ انہوں نے ایک ہی لے اور ایک ہی ربط کو برقرار رکھا ہے۔ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں::

رات کے عکس تخیل سے ملاقات ہو جس کا مقصود کبھی دروازے سے آتا ہے کبھی کھڑکی سے
اور ہر بار نئے بھیس میں در آتا ہے
اس کو اک شخص سمجھنا تو مناسب ہی نہیں

میرا جی نے اپنی شاعری میں نفسی مشاہدوں کا اظہار کیا ہے اور یہ نفسی مشاہدے ان کی شاعری میں ماضی کی وجہ سے ہیں۔ اس نے ماضی پرستی نہیں چھوڑی۔ اس نے اپنی شاعری میں ماضی کی تلخ ترین یادوں کو بیان کیا ہے۔ اور اس بات کا خیال رکھا کہ خواب اور حقیقت کے درمیان ایک سمجھوتے کا وسیلہ ہو۔ وہ حقیقت کو خواب کی صورت میں دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے نزدیک خواب اور حقیقت لازم و ملزوم ہیں شعری مثال ملاحظہ ہو:

مرے ہی سامنے آئی ہے اور صورت میں
نگاہ تند، غضب ناک دل، کلام درشت
مگر اب اس کی ضرورت نہیں میں سوچتا ہوں
تمہی کو آج مرے روبرو نہ ہونا تھا
جہاں میں اور بھی تھے مجھ سے تم سے بڑھ کے کہیں
جو اجنبی تھے جنہیں اجنبی ہی رہنا تھا

میرا جی کے ہاں تصور انسان لاشعوری سطح پر سوچنے کا عادی ہے۔ میرا جی دکھ اور تکلیف کے انتخاب کو جسم کی ہجرت سے دور نہیں کرتے۔ زمانے کی جبریت اور حوادث کو پورے اعتماد سے قبول کرتے نظر آتے ہیں۔ ثنا اللہ سے میرا جی بننے تک کا سفر انہوں نے اپنی شاعری میں بیان کیا:

جب سب دنیا سو جاتی ہے میں اپنے گھر سے نکلتا ہوں
بستی سے دور پہنچتا ہوں، سونے رستوں

پر چلتا ہوں
اور دل میں سوچتا ہوں کیا کام مرا اس جنگل میں
کیا بات مجھے لے آئی ہے اس خاموشی کے منڈل میں
یہ جنگل، یہ منڈل جس میں چپ چاپ کا راجہ رہتا ہے
یہ رستہ بھولے مسافر کے کانوں میں کیا کچھ کہتا ہے۔
میرا جی کی شاعری میں لاشعور کا تجسس پایا جاتا ہے ۔ یہاں چیزیں نہیں بلکہ چیزوں کا تصور پایا جاتا ہے ۔ اس کے ہاں سب سے زیادہ پایا جانے والا تصور عورت ہے۔ وہ عورت کو جنسی طور پر دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ میرا جی کی شاعری میں عورت کا تصور ایک مردار گوشت کی مانند ہے۔ جہاں وہ جتنا پسند کا کھانا چاہے کھا سکتے ہیں۔ وہ اس حوالے سے لکھتے ہیں:
یہ دل کی بات لگی پیاری، میں دھیان کی دھن میں ڈوب گیا
دکھ درد مٹا ،میدان میں ہارا، دور ہوا محبوب گیا
لیکن یہ رنگ خیالوں کے اب میری نظر میں سایہ ہیں
سب بیتی رات کا جادو ہیں، سب پچھلے جنم کی مایا ہیں۔

یہ کیچڑ چکھ کے دیکھو

نسیم سید

تم آخر اس قدر ناراض کیوں ہو؟
بات تو سمجھو
نہ جانے کیوں بگڑ جاتے ہو
ہم جب بھی کسی
احساس_ محرومی کو
مجبوری کو
جبر و ظلم کو تصویر کرتے ہیں
چلو تم ہی بتاؤ
تم نے جواب تک
ہمارے واسطے قانون لکھے ہیں
میں ان کی کون سی شق؟
کونسی تعزیر پر انگلی دھروں؟
کن کن رواجوں کو گناؤں؟
مجھے معلوم ہے تم بے دلی سے شانے اچکاؤ گے، ہنس دو گے
مگر آج ایسا کرتے
چلو۔۔۔۔۔
جوتوں میں میرے پیر ڈالو
اور میرے ساتھ آؤ
تمہیں ناجائز و جائز کی
سب تفصیل تو ازبر ہے نا؟
تو دیکھو یہ قطاریں عورتوں کی
لوٹ کے سامان میں لائی گئی ہیں
ان کے ماتھے پر
دھکتے سرخ انگارے سے
اک فرمان لکھا ہے
"یہ سب جائز کنیزیں ہیں"
یہ کنیزیں جس کو چاہیں بانٹ دی جا ئیں
تصرف میں رہیں
بھر جائے جی تو
ان کے یہ باسی بدن
آگے بڑھا دیں گے
ذرا سی دیر کو اترو اسی جائز غلامی میں
بتاؤ کونسی تذلیل کا احساس ہوتا ہے؟
یہ کیچڑ چکھ کے دیکھو
بتاؤ ذائقہ یہ کیسا لگتا ہے؟
یہ چھوٹی چھوٹی قبریں دیکھتے ہو؟
ہمارا سانس لیتا جسم
ان میں دفن ہے پیارے
مجھے معلوم ہے
برجستہ کہہ دو گے
"پرانی بات ہے یہ تو"
ہاں!
یہ کہنے کو پرانی بات ہے
لیکن یہ قبرستان
یہ قبریں
زمانوں کا سفر کرتی
ہمارے نام پر یہ وقف رہتی ہیں
مدرسوں، بیٹھکوں، کھیتوں میں
باعزت گھروں کے
گونگے کمروں
اندھے اوطاقوں کی تاکیدیں
ہمیں زندہ نگل لینے پہ قادر ہیں
ذرا سی دیر کو اترو
ان ہی قبروں میں
اور سمجھو کہ ایک اک سانس کیسے ٹوٹتی ہے
اور بدن کو اپنے
کیچڑ میں بدلتے دیکھنا
آنکھوں سے اپنی
کیسا لگتا ہے؟
چتا پر زندہ جلتی عورتوں کے
پگھلے جسموں کی طرف دیکھو
چلو ماضی کو چھوڑو
یہ چتائیں آج کی ہیں
اک نظر ان کی طرف دیکھو
ہزاروں عورتوں کا جسم ہے
چہرہ نہیں ہے
مرے محسن!!
یہ سب تیزاب سے پگھلے ہوئے
چہرے ہمارے ہیں
سو پیارے!
یہ چتائیں سیکڑوں انداز کی ہیں
کیا نہیں ہیں؟
ہمارے ہونٹ، آنکھیں، جسم
زندہ جسم
ان میں جھونکے جائیں
اور کہتے ہو کہ
اپنے جسم کو اپنا کہا تو ہم خفا ہونگے
تو جاناں!
جانتے ہیں ہم
کسی بھی جبر کی زنجیر جب ٹوٹے
تو جابر تلملاتے ہیں
مگر یہ تلملاتے
طنز کرتے، بھونکتے آقا ہمارے بھول جاتے ہیں
نئے دن کی بشارت کو بھلا
اہل ستم کب روک پاتے ہیں

صاحب نظرے پیدا شُد

شاہ محمد مری

2012 کے اوائل میں جب سردار خیر بخش کے قبیلے کے ایک شخص نے اُس کو پیغام بھیجا کہ 29 فروری کو وہ کوئٹہ میں اپنے اس بزرگ کی سالگرہ پر ایک دنبہ خیرات کرے گا۔ ساتھ میں اُس نے یہ خواہش کردی کہ وہ (سردار) بھی اُس روز ایک دنبہ کاٹ کر جشن منائے۔ اس لیے کہ اس کی اگلی سالگرہ چار برس کے بعد آئے گی۔ اور چار برس کس نے دیکھے؟۔

واضح رہے کہ سردار خیر بخش مری زندگی بھر 29 فروری 1929 کو اپنی سالگرہ قرار دیتا رہا۔

قبائلی کی خواہش پر اُس نے پیغام لے جانے والے سے کہا تھا: ''میں تو اپنی سالگرہ کبھی نہیں مناتا، مگر اُس سنگت کی خواہش ہے۔ اور وہ میری سالگرہ اتنی دور اور اتنی ''دل لوٹائی'' سے منا رہا ہے تو میں بھی اِس بار ایک دنبہ ذبح کر کے منالوں گا''۔

لیکن اُسی سال بعد میں وہ شخص جب کراچی گیا تو خیر بخش سے ملاقات میں ایک ایسی بحث چھیڑ دی کہ سردار کو اپنی کیلکولیشن کی غلطی ماننی پڑی۔ خیر بخش کو اپنے سالِ پیدائش کے بارے میں بالکل بھی کوئی کنفیوژن نہ تھی۔ یعنی اس کی پیدائش کا سال 1929 ہی تھا۔ مگر جب اگلا شخص کاغذ قلم اور کیلنڈر کے ہتھیار استعمال کرنے لگا تو بوڑھا سردار قائل ہوگیا کہ 1929 تو لیپ کا سال تھا ہی نہیں۔ تو 29 فروری کہاں سے آ گیا۔

یوں خیر بخش مری نے آخری عمر میں اپنی تاریخ پیدائش 28 فروری 1929 کو قرار دیا۔ اور آئندہ دو برس اُسی روز اپنی سالگرہ قرار دے کر اُسے منانے یا نہ منانے لگا۔

خیر بخش، مری قبیلے کے سردار مہر اللہ کے ہاں، کاہان میں پیدا ہوا۔ Happenings کی کرشمہ سازیاں بھی عجیب ہوتی ہیں۔ اسباب وعلل کی اپنی نیرنگیاں، اٹھکیلیاں اور راہیں ہوتی ہیں۔ عجب بات ہے کہ خیر بخش مری ابھی دودھ پیتا بچہ تھا کہ والدہ کا انتقال ہوگیا۔ اُس کی ماں زرکون قبیلے سے تھی، نیاز محمد زرکون کی بہن۔ اِس شیر خوار بچے کی ماں مرگئی تو کنیزوں اور سوتیلی ماؤں کے دودھ اور دیکھ بھال کی بدولت وہ مرنے سے تو بچ گیا مگر فطری بات ہے کہ مامتا سے محرومی کا کچلا تو دل و دماغ کے ریشے ریشے میں سما جاتا تھا۔ اس نے کئی بار مجھ سے اس کا اظہار بھی کیا۔ کس قدر تلخی کے ساتھ وہ خود کو ''چوری'' (یتیم) کہا کرتا تھا۔ ''میں ایسا بدنصیب کہ ماں مرگئی، باپ سارا دن سرداری اور مردانہ کاموں میں باہر مصروف رہتا۔ سوتیلی یا نوکرانیوں نے جہاں چاہا دھوپ میں پھینک دیا، جو چاہا پلا دیا''۔

اُس کا نام اس کے سامراج دشمن دادا کے نام پر رکھا گیا۔ سامراج دشمن دادا کے اس پوتے نے بڑا ہو کر اس کے نام کا خوب لحاظ رکھا اور ہر طرح کے ظلم نا انصافی کے خلاف لڑنا تھا۔

ہم ذکر کر چکے کہ شیر خواری میں ماں کے انتقال کر جانے پر اُسے تربیتی لوریاں کہاں نصیب ہوئی ہوں گی؟ ۔مگر آسمان یہیں پر بس کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ آفت تو پھر آفت ہوتی ہے۔ کیا حد کیا حساب؟۔ 1933ء میں جب وہ ابھی محض چار سال کا تھا کہ والد (مہر اللہ) کا بھی انتقال ہوگیا۔ لہٰذا اگر کوئی نام کی پدری شفقت میسر بھی تھی تو وہ بھی چھن گئی۔ ویسے بھی چار سال کے بچے پر باپ کا سایہ کیا رہتا اور نہ ہی باپ چار سالہ بچے کی کوئی تربیت کرسکتا تھا۔ یہ ننھا بچہ ایک گھپ تاریک دنیا اور دھند میں لپٹی گردابی مقدر کے حوالے ہوگیا۔

دوسری طرف سردار مہر اللہ خان کا سب سے بڑا بیٹا ہونے کے حوالے سے وہی سردار بننے کا اہل تھا۔ اس لیے اُس ننھے بچے کی دستار بندی تو لازمی ہونی تھی، ہوگئی۔ مگر، چونکہ وہ کم سن تھا اس لیے قبیلہ کے امور نہیں چلا سکتا تھا۔ چنانچہ رواج کے مطابق قبیلہ اُس کے جوان ہونے تک اُس کے چچا دودا خان کی قائم مقام سرداری (ریجنٹ) میں چلا گیا۔ ننھا خیر بخش اس ہری بھری دنیا میں دوہری یتیمی کی گود میں ابلتا پلتا رہا۔

خیر بخش کی ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کاہان کی تھی (1)۔ جہاں میر مٹھا خان اس کا استاد تھا۔ اسی لیے ہم نے بہت بار دیکھا تھا کہ وہ اسے اپنا استاد مانتا بھی تھا اور اُس کی اُسی انداز میں عزت بھی کرتا تھا۔

بعد ازاں وہ کوئٹہ کے گرائمر سکول میں پڑھا۔

ریفرنسز

1۔ نجات، کراچی۔ 25 مئی 1935 ۔صفحہ 3

ایچی سن کالج

انگریز کا زمانہ تھا۔اُس کالونیل سرکار کا دستور تھا کہ جب کسی قبیلے کا سردار فوت جاتا اور اُس کا بڑا بیٹا ابھی کمسن ہوتا تو انگریز اُس کم سن یتیم کی ساری زمین اور جائیداد کو سرکاری انتظام میں لے لیتا۔اور اُس کی اپنی جائیداد کی آمدن سے اُس یتیم سردار زادے کو بہترین سکول میں تعلیم دلاتا ۔وہاں بچے کو فیوڈل تعلیم کے ساتھ ساتھ فیوڈل اشغال مثلاً گھڑ سواری، جنڑی والے سپورٹس، کھانے پینے اور پہننے کے آداب ،گفتگو کے مراسم ، مطالعہ، فلم بینی اور جدید ایڈمنسریشن سکھائے جاتے ۔گویا انگریز کے زیر سایہ اسے جدید ترین سرداری/ حکمرانی کی تربیت دی جاتی ۔ اِس سارے نظام کو ''کورٹس آف وارڈز'' کہتے تھے ۔

چنانچہ مری قبیلہ کے اِس کمسن یتیم سردار خیر بخش کی جائیداد ''کورٹس آف وارڈز''میں چلی گئی اور وہاں سے حاصل شدہ آمدن سے انگریز نے اپنی نگرانی میں اُسے لاہور کے ایچی سن کالج میں پڑھایا۔یہ 1940 کی دَہائی تھی۔ یوں ، خیر بخش بلوچستانی گرم گود کی تربیت سے باہر ایک ایسے سکول میں تھا جہاں فیوڈلوں کے بچے پڑھتے تھے۔ شاہانہ کروفر والے ، دولت و حشمت والے، فیشن و دبدبے والے، شراب و شباب و کباب والے.....شرطیہ کہتا ہوں کہ ایک ایسے ماحول میں اپنی اشرف المخلوقاتی کو بچائے رکھنا غیر معمولی بات ہوتی ہے۔

خیر بخش کے پاس مہنگی گاڑیوں، خوش پوشی کے شوق اسی ایچی سن کالج سے آئے ، کوئٹہ کلب ، جوڈو کراٹے اور جم خانہ جا کر سکوائیش کھیلنے کا شوق بھی وہیں سے ساتھ آئے ۔لیکن یہ بات بہت دلچسپ ہے کہ زندگی بھر ساتھ رہنے والی عاجزی بھی وہیں سے ساتھ آئی۔ حیرت ہوتی ہے کہ بعد میں کتے ، ریچھ اور مرغے لڑانے کا شوقین یہ شخص ، اپنی کالج لائف میں حتیٰ کہ جانوروں اور کیڑے مکوڑوں تک پر بھی رحم کرتا تھا۔

اُس نے 1946 کو وہاں سے میٹرک کرلیا۔

پھر 1947 سے 1950 تک اسے'' بلڈاپ کورس'' سے گزرنا پڑا۔اُس کے تحت اُسے مسلح افواج کے تینوں شعبوں یعنی ، برّی ، بحری اور فضائی افواج کے علاوہ پولیس، ریونیو اور انتظامیہ وغیرہ میں کچھ عرصہ تربیت حاصل کرنا تھی۔ پہلے اس نے کراچی کے نیول ہیڈ کوارٹرز میں بحریہ کی تربیت حاصل کرنا شروع کی۔

پانچ ماہ بعد ایک دلچسپ واقعہ ہوا۔

ہوا یوں یہ کہ خیر بخش تربیت کے دوران کراچی میں آغا خان پیلس میں مقیم تھا ۔ اُن دنوں معروف مسلم لیگی رہنما قاضی عیسیٰ اور اس کا بڑا بھائی قاضی موسیٰ (بعد میں جس کی دختر نواب مری سے بیاہی گئی) بھی آغا خان پیلس میں رہائش پذیر تھے۔خیر بخش مری کو اس کے سینئر افسر مسٹر حسن نے اجازت دے رکھی تھی کہ وہ شام کو اپنی قیام گاہ پر جایا کرے۔ ایک شام کو کیا ہوا کہ بحریہ کی پولیس کا ایک دستہ آغا خان پیلس پہنچ گیا اور خیر بخش مری کو بتایا گیا کہ وہ تو مفرور ہو کر یہاں پہنچا ہے۔اس لیے یہ دستہ اُسے گرفتار کرنے کے لیے آیا ہے۔سردار خیر بخش نے انہیں بتایا کہ وہ تو رہتا ہی یہاں ہے ، اُسے گرفتار کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ خود ہی جانا پسند کرے گا۔ سردار مری جب بحریہ کے ہیڈ کوارٹرز پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کے سینئر افسر نے اُسے قواعد کے تحت نہیں ، بلکہ دوستی کے جذبے کے تحت شہر میں رہنے کی اجازت دے رکھی تھی۔سردار خیر بخش نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے خیر خواہ سینئر افسر کے کیریئر کو تباہ نہیں ہونے دے گا اور سارا قصور اپنے ذمے لے لے گا۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔ سزا کے بطور اس پر بہت سی پابندیاں لگ گئیں اور چھٹی کے دن بھی اس جزیرے سے باہر جانے کی اجازت نہ ملتی تھی، جہاں نیول ہیڈ کوارٹر تھا۔

کراچی سے واپس کوئٹہ آکر وہ ایک برس تک بلوچ رجمنٹ سے متعلق رہ کر انفنٹری (پیدل فوج) کی تربیت لیتا رہا۔اُن دنوں کوئٹہ کے انفنٹری سکول میں اور بھی کافی زیر تربیت افسر تھے ، جنہیں بعد میں وہ زندگی کے آخر تک یاد کرتا تھا۔سردار خیر بخش کو تربیت کے اختتام پر فوج میں کمیشن کی پیش کش کی گئی۔لیکن اس نے اُسے قبول نہ کیا ۔ اس کے بعد سال بھر وہ پولیس ، ریونیو اور انتظامی امور میں تربیت کے لیے کوئٹہ میں ان محکموں سے منسلک رہا۔ پھر اُسے ایئر فورس میں اٹھارہ ماہ کے تربیتی کورس کی دعوت دی گئی ،لیکن مری قبیلے میں کچھ ایسے حالات رونما ہو گئے کہ اُسے بطور سردار وہاں اپنے فرائض سنبھالنا پڑے۔

حیرت ہوتی ہے کہ اس قدر ایلیٹ کورسز سے گزرنے کے باوجود بھی وہ بعد میں عجیب قسم کا مارکسسٹ بنا۔ وہ سادہ سے کپڑے پہننے ، اپنے قبیلے کو سیاست میں منظّم کرنے اور ایک منصفانہ نظام قائم کرنے میں لگ گیا۔

جارجی دیمتروف

شاہ محمد مری

میں اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر بلغاریہ کے بارے میں بتا سکتا ہوں۔ بلغاریہ کی کمیونسٹ پارٹی پر 1923 میں ہی پابندی لگ گئی۔لیکن اس کے باوجود اس نے اپنا وجود برقرار رکھا اور کام جاری رکھا۔عظیم قربانیوں کے باوجود یہ دب جانے کی بجائے 1923 سے بہت طاقت ور ہوئی ہے ۔

ضروری حالات اگر میسر ہوں تو جرمن کمیونسٹ پارٹی پابندی کے باوجود اب بھی کامیاب انقلاب لاسکتی ہے۔روسی کمیونسٹ پارٹی کا تجربہ اس کا ثبوت ہے۔اس پارٹی نے پابندی اور تشدد کے باوجود بالآخر محنت کشوں کے دل جیت لیے اور اقتدار پر قبضہ کرلیا۔ جرمن کمیونسٹ پارٹی کے راہنما یہ کبھی بھی نہیں سوچیں گے کہ ان کی پارٹی کو دبانے سے سب کچھ ختم ہو جائے گا ۔نہ یہ کہ کسی لمحے ''اب یا کبھی نہیں'' ۔اور نہ یہ کہ متبادل یا تو بغاوت ہے یا موت۔جرمن کمیونسٹ پارٹی کے راہنما کبھی بھی ایسے احمقانہ خیالات سے محظوظ نہیں ہوئے۔فطری طور پر انہیں اس بات کا علم تھا کہ پابندی سے عظیم نقصان ہو گا ، جس کا مطلب ''خود قربانی''اور ہیروازم تھی۔لیکن انہیں اس کا بھی علم تھا کہ پارٹی کی انقلابی قوت دوبارہ بڑھے گی'ایک دن وہ اس قابل ہو جائے گی کہ اپنی منزل تک کامیابی سے پہنچے۔ان وجوہات کی بنا پر جرمن کمیونسٹ پارٹی کے بارے میں کسی قسم کی جلد بازی یا خطرات مول لینے کے خیالات کو سختی سے نکالنا چاہیے ۔خوش قسمتی سے کمیونسٹ اپنے دشمنوں کی طرح اتنے کوتاہ بین نہیں ہیں اور نہ ہی وہ مشکل حالات میں اپنے حواس کھودیتے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ دوسری کمیونسٹ پارٹیوں کی طرح جرمن کمیونسٹ پارٹی بھی بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک کا ایک حصہ ہے ۔کمیونسٹ انٹرنیشنل کیا ہے ؟۔ مجھے اجازت دیجیے کہ اس کے منشور سے پڑھ کرسنادوں۔

اس کا پہلا پیراگراف اس طرح ہے:

'' کمیونسٹ انٹرنیشنل مزدوروں کی بین الاقوامی ایسوسی ایشن ہے ، مختلف ملکوں کی کمیونسٹ پارٹیوں کی ایسوسی ایشن ہے،ایک متحدہ عالمی کمیونسٹ پارٹی ہے ، پرولتاریہ کی عالمی انقلابی تحریک کا راہ نما اور منتظم ہے ۔کمیونسٹ مقاصد اور اصولوں کا محافظ ہے ۔ اس لیے کمیونسٹ انٹرنیشنل محنت کش طبقے کی اکثریت اور کسانوں کے بڑے حصے کے دل جیتے تا کہ عالمی طور پر پرولتاری ڈکٹیٹرشپ قائم کی جا سکے تا کہ سوشلسٹ سوویت جمہوریتوں کا عالمی اتحاد وجود میں آجائے' تا کہ طبقات کو ختم کیا جا سکے ۔اور کمیونزم کی طرف پہلے قدم یعنی سوشلزم کا قیام عمل میں لایا جائے''۔

کمیونسٹ انٹرنیشنل کی اس پارٹی میں جس کے ممبر دنیا بھر میں لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں ہیں، سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی سب سے مضبوط اکائی ہے ۔ یہ سوویت یونین کی حکمران جماعت ہے جو دنیا میں سب سے وسیع ملک ہے۔کمیونسٹ انٹرنیشنل یا عالمی کمیونسٹ پارٹی سیاسی صورت حال اور تمام ممالک میں کمیونسٹ پارٹیوں کا تجزیہ کرتی ہے۔

کمیونسٹ انٹرنیشنل جس سے اس کے تمام سیکشن بلا واسطہ متعلق ہیں محض سازشیوں کی ایک تنظیم نہیں ہے بلکہ ایک عالمی جماعت ہے۔اس جیسی کوئی عالمی پارٹی کبھی بغاوت اور انقلاب سے نہیں کھیلتی۔ایسی پارٹی کبھی ایسا نہیں کرسکتی کہ اعلانیہ طور پر اپنے لاکھوں کارکنوں کو ایک بات کہے اور اُسی وقت خفیہ طور پر دوسری بات کہہ دے۔

مائی ڈیئر ڈاکٹر سیک! ایسی پارٹی دوغلا پن کر ہی نہیں سکتی۔

ڈاکٹر سیک:

بہت خوب۔اپنے کمیونسٹ پروپیگنڈہ کو جاری رکھیے۔

دیمتروف :

ایسی پارٹی جب اپنے طریقِ کار اور فوری ضروریات کے متعلق فیصلے کرتی ہے اور لاکھوں مزدوروں کو اپروچ کرتی ہے تو مکمل سنجیدگی اور ذمہ داری کے ساتھ آگے بڑھتی ہے ۔ مجھے اجازت دیجیے کہ میں کمیونسٹ انٹرنیشنل کی ایگزیکٹو کمیٹی کے بارہویں اجلاس کے فیصلوں کا حوالہ دوں۔کیونکہ ان فیصلوں کے حوالے عدالت میں دیے گئے تھے اس لیے مجھے حق پہنچتا ہے کہ انہیں پڑھ کرسناؤں۔

ان فیصلوں کے مطابق جرمن کمیونسٹ پارٹی کی جدوجہد کے اہم نکات یہ تھے:

* محنت کشوں کو ان کے روزمرہ مطالبات کے حصول کے لیے
* مالیاتی سرمایہ کی ڈکیتی کے خلاف
* فاشزم کے خلاف
* ہنگامی احکامات کے خلاف
* نیشنلزم اور شاونزم کے خلاف

* لوگوں کو سیاسی اور معاشی ہڑتالوں، پرولتاری انٹرنیشنلزم کے لیے جدوجہد اور جلوسوں کے ذریعے متحرک کیا جائے۔ لوگوں کو سیاسی عام ہڑتال کی حد تک لایا جا سکے، پارٹی کی ٹریڈ یونین سرگرمی میں سستی کو دور کر کے سوشل ڈیموکریٹک کارکنوں کے بڑے حصے کے دل جیتے جائیں۔۔۔۔۔

عوام الناس میں کام، عوام الناس کی سرگرمی، عوام الناس کی اپوزیشن اوران کا متحدہ محاذ۔۔۔۔مہم جوئی سے دُور۔۔۔ یہ ہے کمیونزم کے طریقِ کار کی الف بے۔

میرے پاس سے کمیونسٹ انٹرنیشنل کی ایگزیکٹو کمیٹی کی اپیل کی ایک کاپی دست یاب ہوئی تھی۔ میں اسے اٹھاتا ہوں تاکہ اس سے پڑھ سکوں۔ اس میں دو نکات بڑی اہمیت کے ہیں۔ یہ اپیل جرمنی کے واقعات کے بارے میں مختلف ممالک میں جلوس نکالنے کے لیے کہتی ہے۔ مزید برآں یہ جرمن کمیونسٹ پارٹی کو نیشنل سوشلسٹوں کی غنڈہ گردی کے خلاف مزاحمت کے لیے، مزدوروں کی تنظیموں اور محنت کش طبقے کی حفاظت کے لئے پارٹی فرائض کا ذکر کرتی ہے۔

اپیل میں کہا گیا ہے:

'' کمیونسٹ اور سوشل ڈیمو کریٹک کارکنوں کے متحدہ محاذ بنانے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سوشل ڈیمو کریٹک پارٹیوں کی بورژوازی کے ساتھ تعاون کرنے کی پالیسی ہے۔ بورژوازی کے ساتھ اسی تعاون نے جسے نام نہاد ''چھوٹی برائی'' کا نام دیا جاتا ہے، ہی حقیقت میں جرمنی میں فاشزم کی راہ صاف کی ہے۔

کمیونسٹ انٹرنیشنل اور تمام ممالک کی کمیونسٹ پارٹیوں نے سرمایہ کے حملوں، سیاسی ردعمل اور جنگ کے خطروں کے خلاف بار بار سوشل ڈیموکریٹک کارکنوں سے مل کر مشترکہ جدوجہد کرنے کی پیشکشیں کی ہیں۔ جنھوں نے محنت کش عوام الناس کے متحدہ محاذ کو منظّم انداز میں ناکام کیا۔

یہ کمیونسٹ پارٹیاں ہی تھیں جنھوں نے سوشل ڈیموکریٹک پارٹیوں کے لیڈروں کی مخالفت کے باوجود مشترکہ جدوجہد کو منظّم کیا۔ پچھلے سال 20 جولائی کو وان پاپین کی طرف سے پروشیائی سوشل ڈیموکریٹک حکومت کو نکال باہر کرنے کے بعد جرمن کمیونسٹ پارٹی نے فاشزم کے خلاف جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی اور آل جرمن ٹریڈ یونین ایسوسی ایشن کو ایک مشترکہ ہڑتال منظّم کرنے کی تجویز پیش کی۔ لیکن سیکنڈ انٹرنیشنل، جرمن سوشل ڈیمو کریٹک پارٹی اور آل جرمن ٹریڈ یونین ایسوسی ایشن نے مشترکہ ہڑتال کی تجویز کو مشترکہ طور پر اشتعال انگیز قرار دیا۔ جرمن کمیونسٹ پارٹی نے سوشل ڈیموکریٹک پارٹی اور آل جرمن ٹریڈ یونین ایسوسی ایشن کو اُس وقت بھی مل کر فاشزم کے خلاف مزاحمت کرنے کی تجویز پیش کی جس وقت ہٹلر مسندِ اقتدار پر چڑھ بیٹھا تھا۔ لیکن اس تجویز کو بھی مسترد کیا گیا۔ اس کے علاوہ جب پچھلے نومبر میں برلن ٹرانسپورٹ کے مزدور تنخواہوں میں کمی کرنے کے خلاف ہڑتال پر گئے تو سوشل ڈیموکریٹس نے جدوجہد کے لیے متحدہ محاذ کو ناکام کیا۔ بین الاقوامی مزدور تحریک کی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

اس سال 19 فروری کو سوشلسٹ ورکرز انٹرنیشنل کے بیورو کی اپیل میں سوشل ڈیموکریٹک پارٹیوں اور انٹرنیشنل کے ممبروں کا ایک اعلان نامہ بھی ہے جس میں جرمنی میں فاشسٹ مظالم کو روکنے کے لیے کمیونسٹوں سے متحدہ محاذ بنانے پر رضامندی ظاہر کی گئی ہے۔ یہ اعلان نامہ سوشلسٹ انٹرنیشنل اور سوشل ڈیموکریٹک پارٹیوں کی ماضی کی عام سرگرمیوں کے سراسر متضاد ہے۔ سوشلسٹ انٹرنیشنل اور سوشل ڈیمو کریٹوں کی اب تک کی تمام کارروائیوں سے کمیونسٹ انٹرنیشنل اور کمیونسٹ پارٹیاں یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ سوشلسٹ انٹرنیشنل بیورو کے حالیہ اس اعلان نامے پر اعتبار نہ کریں۔ جس نے یہ تجویز اُس وقت پیش کی جب کئی ملکوں حتیٰ کہ جرمنی میں بھی مزدور طبقہ از خود متحدہ محاذ میں منظّم ہو رہے ہیں۔

''لیکن اس کے باوجود کمیونسٹ انٹرنیشنل کی مرکزی کمیٹی نے کمیونسٹ پارٹیوں کو ہدایت کی کہ محنت کشوں پر فاشسٹوں کے وحشیانہ حملوں کے خلاف جنگ کے لیے سوشل ڈیمو کریٹک پارٹیوں سے متحدہ محاذ بنانے کے لیے ایک اور کوشش کی جائے۔ کمیونسٹ انٹرنیشنل کی مرکزی کمیٹی یہ کوشش اس پختہ عقیدے کی بناء پر کر رہی ہے کہ بورژوازی کے خلاف محنت کشوں کا متحدہ محاذ فاشزم اور سرمایہ کے حملوں کا منہ توڑ جواب دے گا اور سرمایہ داروں کی ہر طرح کے استحصال کا خاتمہ کر دے گا۔

''کیوں کہ مختلف ممالک میں موجود حالات مختلف اور مخصوص قسم کے ہیں اس لیے ہر ملک کے کمیونسٹ اور سوشل ڈیمو کریٹک پارٹیوں کے درمیان بورژوازی کے خلاف ٹھوس کارروائی کا معاہدہ اُسی ملک کے حالات کے مطابق بہتر طور پر ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے کمیونسٹ انٹرنیشنل کی مرکزی کمیٹی ہر کمیونسٹ پارٹی کو یہ سفارش کرتی ہے کہ وہ بورژوازی اور فاشزم کے حملوں کے خلاف اپنے اپنے ملک میں سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کی مرکزی کمیٹی کو مشترکہ جدوجہد کی تجویز پیش کریں۔ فاشزم کے خلاف جدوجہد کے لیے ضروری مخصوص شرائط کا تعین مذاکرات اور مکمل بحث وتمحیص کی بنیاد پر کی جائے۔ بورژوازی کے خلاف کسی عمل کے لیے مکمل پروگرام وضع کیے بغیر ان پارٹیوں کی مصالحت سے مزدور طبقہ کو کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا۔

''کمیونسٹ انٹرنیشنل کی مرکزی کمیٹی یہ تجویز پوری دنیا کے محنت کش طبقے کو پیش کرتی ہے۔ اور تمام کمیونسٹ پارٹیوں، خصوصاً جرمن کمیونسٹ پارٹی کو ہدایت کرتی ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو سوشل ڈیموکریٹوں کے کارکنوں اور

دوسرے تمام محنت کشوں کے ساتھ مشترکہ ایکشن کمیٹیاں تشکیل دے ۔ اس چیز کا انتظار کیے بغیر کہ سوشل ڈیمو کریسی سے مذاکرات کے کیا نتائج نکلتے ہیں۔

کمیونسٹوں نے اپنی طویل جدوجہد کے ذریعے ثابت کر دیا کہ وہ بورژوازی کے خلاف طبقاتی جدوجہد کے لیے متحدہ محاذ بنانے کے لیے عملی طور پر پیش پیش رہے ہیں اور رہیں گے۔

''کمیونسٹ انٹرنیشنل کی مرکزی کمیٹی کو پختہ یقین ہے کہ سوشل ڈیمو کریٹک اور دوسرے تمام غیر پارٹی محنت کش اپنے لیڈروں کے رویے کے برعکس متحدہ محاذ بنانے کی راہ میں حائل تمام رکاوٹوں کو دور کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔اور کمیونسٹوں کے ساتھ نہ صرف الفاظ کی حد تک بلکہ عملی اتحاد بنائیں گے۔

'' اب جرمن فاشزم نے جرمنی کے مزدور طبقے کی تحریک کو کچلنے کے لیے جرمن پارلیمنٹ کی آتش زنی اور مسلح بغاوت کے لیے جعلی کاغذوں کی تیاری وغیرہ جیسے شرم ناک الزامات گھڑ لیے ہیں۔نتیجتاً اب ہر مزدور کو کیپٹل اور فاشزم کے حملوں کے خلاف جدوجہد میں اپنے طبقاتی فرائض پہچاننے چاہئیں''۔

اس اپیل میں اقتدار کے لیے کسی فوری جدوجہد کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ایسا فرض نہ تو کمیونسٹ انٹرنیشنل نے اور نہ کمیونسٹ پارٹی نے سونپا تھا۔ ہاں یہ بالکل صحیح ہے کہ کمیونسٹ انٹرنیشنل کی اپیل مسلح بغاوت کے امکانات کو خارج نہیں کرتی ۔

اس سے عدالت اس غلط نتیجے پر پہنچی کہ چونکہ جرمن کمیونسٹ پارٹی کے مقاصد میں سے ایک مسلح بغاوت بھی ہے۔اس لیے پارٹی نے اس بغاوت کے لیے ضرور تیاریاں کی ہوں گی اور اس بغاوت کو فوری طور پر شروع کرنے کے لیے کام کیا ہوگا۔لیکن ایسے کمزور مفروضے قائم کرنا غلط اور غیر منطقی ہے ۔فطری طور پر پرولتاری ڈکٹیٹر شپ کا قیام پوری دنیا کی کمیونسٹ پارٹیوں کا فرض ہے ۔ وہ ہمارا اصول اور ہمارا مقصد ہے۔لیکن چونکہ وہ مکمل پروگرام ہے جسے تکمیل تک پہنچانے کے لیے قوت چاہیے، نہ صرف محنت کش طبقے کی قوت بلکہ محنت کش عوام کے دوسرے حلقوں کی بھی۔

ہر شخص جانتا ہے کہ جرمن کمیونسٹ پارٹی پرولتاری ڈکٹیٹر شپ پر یقین رکھتی ہے۔لیکن اس یقین کا اس مقدمہ سے کوئی تعلق نہیں۔اصل نقطہ یہ ہے کہ کیا 27 فروری 1933 کو پارلیمنٹ کی آتش زنی کے ساتھ مسلح بغاوت کر کے اقتدار چھیننے کی کوئی سازش تیار کی گئی تھی؟

جناب عالیٰ! اس بارے میں قانونی تحقیقات کے کیا نتیجے نکلے تھے؟ اس غلط الزام کے مکمل طور پر پرخچے اڑ گئے کہ پارلیمنٹ کی آتش زنی کمیونسٹوں کی حرکت ہے ۔کم از کم ہر باہوش شخص اب اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ پارلیمنٹ کی آتش زدگی کا کمیونسٹ پارٹی کی سرگرمیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، مسلح بغاوت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ کسی ہڑتال کسی جلوس سے تعلق ہے ۔قانونی تحقیقات نے اسے مکمل طور پر ثابت کر دیا ہے ۔ پارلیمنٹ کی آتش زدگی کو جرائم پیشہ لوگوں یا مخبوط الحواس لوگوں کے علاوہ کسی نے بھی مسلح بغاوت کے سگنل کے طور پر استعمال نہیں کیا۔کسی شخص نے مسلح بغاوت کی کوشش یا عمل کے لیے پارلیمنٹ کو جلانے کا مشاہدہ نہیں کیا اور اُن دنوں کسی نے ایسی باتوں کے متعلق نہیں سنا ۔اس قسم کی کہانی تو بہت بعد میں گھڑی گئی ۔ اس موقع پر مزدور طبقہ فاشزم کے حملوں کا دفاع کرنے کی پوزیشن میں تھی ۔ جرمن کمیونسٹ پارٹی اپنی دفاع کے لیے لوگوں کو منظم کرنے میں لگی ہوئی تھی ۔لیکن یہ ثابت ہوا کہ پارلیمنٹ کی آتش زدگی نے جرمن مزدور طبقہ اور اس کے ہراول کمیونسٹ پارٹی کے خلاف وحشت ناک حملوں کے لیے موقع فراہم کیا۔

ثابت ہو چکا ہے کہ گورنمنٹ کے ذمہ دار افسروں نے 27-28 فروری کو کمیونسٹ بغاوت کے امکان کے بارے میں غور تک نہیں کیا ۔اس نکتے پر میں یہاں آئے ہوئے گواہوں سے سوالات پوچھتا ہوں۔دوسرے تمام تضادات کے باوجود وہ تمام ایک چیز پر متفق تھے کہ انہوں نے کسی کمیونسٹ بغاوت کے بارے میں نہ تو کچھ سنا تھا اور نہ دیکھا تھا۔جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکمران حلقوں نے ایسی کسی بغاوت کے خلاف کسی قسم کے حفاظتی اقدامات نہیں کیے تھے۔

پریذیڈنٹ: پولیس کے مغربی شعبے کی طرف سے اس معاملے پر بہر حال ایک رپورٹ عدالت میں پیش کی گئی تھی۔

دیمتروف: پولیس کے مغربی شعبے کے سربراہ نے اپنی رپورٹ میں یہ کہا کہ اسے گوئرنگ نے زبانی طور پر کمیونزم کے خلاف جنگ کرنے کے متعلق ہدایت کی تھی ۔ یعنی کمیونسٹ میٹنگوں ، ہڑتالوں، جلوسوں ، انتخابی پروپیگنڈہ کو دبانے وغیرہ کیلیے ۔لیکن اس کی گواہی کے اندر سر پہ نازل ہونے والی کمیونسٹ بغاوت کے خطرے کے خلاف کیے گئے اقدامات کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

کل ڈاکٹر سیوفرٹ نے بھی اسی نکتے پر بحث کی تھی اور وہ اس نتیجے پر پہنچ گئے تھے کہ کسی سرکاری اتھارٹی نے کسی بغاوت کے اٹھنے کی پیش بینی نہیں کی تھی ۔انہوں نے گوئبلز کی گواہی کا بھی حوالہ دیا تھا جس میں اس نے کہا تھا کہ جب اس نے پارلیمنٹ کی آتش زدگی کے بارے میں سنا تو اسے پہلی بار اس پر یقین نہیں آیا۔

حکومت کا 28 فروری 1933 کا ہنگامی فرمان اس نکتے کو مزید ثابت کرتا ہے۔ یہ فرمان صبح کے وقت آتش زدگی کے بعد جاری کیا گیا تھا۔حکم کو پڑھیے۔ وہ کیا کہتا ہے ؟۔ اس میں آئین کی کئی دفعات کو معطل کر دیا گیا۔

خصوصاً جن میں آزادیِ تنظیم، پریس، احترامِ انسان اور حقِ وطنیت وغیرہ کی گارنٹی دی گئی۔ ہنگامی حکم کا نچوڑ اس کا دوسرا پیراگراف ہے۔ یہ مزدور طبقے پر مجرمانہ حملہ تھا۔

پریذیڈنٹ: مزدوروں کے خلاف نہیں بلکہ صرف کمیونسٹوں کے خلاف۔

دیمتروف: میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اس ہنگامی قانون کے تحت نہ صرف کمیونسٹ، بلکہ سوشل ڈیموکریٹک اور کرسچین مزدور بھی گرفتار ہوئے اور ان کی تنظیموں پر بھی پابندی لگا دی گئی۔ میں اس حقیقت پر زور دوں گا کہ گو کہ یہ حکم کمیونسٹ پارٹی کے خلاف جاری کیا گیا لیکن یہ محض اس کے خلاف نہ تھا بلکہ یہ حکم جو ہنگامی حالات کے اعلان کے لیے ضروری تھا، تمام پارٹیوں اور گروہوں کے لیے بھی تھا۔ یہ حکم پارلیمنٹ کی آتش زدگی کے ساتھ بلاواسطہ متعلق تھا۔

پریذیڈنٹ: اگر آپ جرمن گورنمنٹ پر اسی طرح حملے کرتے رہیں گے تو میں آپ کو عدالت سے خطاب کرنے کے حق سے محروم کر دوں گا۔

دیمتروف: اس مقدمے میں ایک سوال کو بالکل واضح ہی نہیں کیا گیا۔

پریذیڈنٹ: آپ کو ججوں سے مخاطب ہونا چاہیے نہ کہ سامعین سے۔ بصورت دیگر آپ کی تقریر کو پروپیگنڈہ تصور کیا جائے گا۔

دیمتروف: ایک سوال کی وضاحت نہ تو استغاثہ کی طرف سے کی گئی اور نہ وکیل صفائی کی طرف سے۔ اُسے ترک کرنے سے مجھے چنداں حیرت نہ ہوئی۔ حالانکہ یہ ایک ایسا سوال ہے جس سے سب پریشان ہو جاتے۔ وہ سوال فروری 1933 میں جرمنی کی سیاسی صورت حال ہے جس کو مجھے مجبوراً یہاں اٹھانا ہے۔ فروری 1933 کے اواخر میں سیاسی صورت حال یہ تھی کہ نیشنل فرنٹ کے کیمپ کے اندر ہی ایک تلخ جدوجہد ہو رہی تھی۔

پریذیڈنٹ: آپ پھر ایسے معاملات اٹھا رہے ہیں جن کے ذکر سے میں نے آپ کو بار بار منع کیا ہے۔

دیمتروف: میں عدالت سے دوبارہ اپنی درخواست دہراؤں گا کہ ہوگنبرگ، شیلچر، برونگ، وان پاپن تنظیم کے وائس چیئرمین دوستر برگ اور دوسروں کو گواہوں کے طور پر عدالت میں طلب کیا جائے۔

پریذیڈنٹ: عدالت اس درخواست کو مسترد کر چکی ہے اور آپ کو اسے دوبارہ چھیڑنے کا کوئی حق نہیں۔

دیمتروف: میں جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ کیوں۔

پریذیڈنٹ: یہ میرے لیے خوشی کی بات نہیں کہ مجھے آپ کی اختتامی تقریر کے دوران بار بار مداخلت کرنی پڑ رہی ہے لیکن آپ کو میری ہدایات کا احترام کرنا چاہیے۔

دیمتروف: نیشنل فرنٹ میں جاری کشمکش جرمنی کے ممتاز صنعتی حلقوں کی پس پردہ کشمکش سے منتج تھی۔ ایک طرف تو اسلحہ سازی کی صنعت کا تھائی سن اور کروپ گروپ تھا جس نے کئی سال پہلے نیشنل سوشلسٹوں کی مدد کی تھی اور دوسری طرف ان کے مخالفین تھے۔

تھائی سین اور کروپ کی خواہش تھی کہ ڈکٹیٹرشپ قائم کی جائے، ان کی اپنی ذاتی نگرانی کے تحت ایک سیاسی ڈکٹیٹرشپ قائم کی جائے اور مزدور طبقے کے معیار زندگی کو مسلسل پست کیا جائے۔ اس کے لیے انقلابی مزدور طبقے کو کچلنا لازمی تھا۔ اس کے برعکس کمیونسٹ پارٹی اس بات پہ کوشاں تھی کہ مزدور طبقے کی تحریک کو تباہ کرنے کی نیشنل سوشلسٹوں کی کوششوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مزدور طبقے کا ایک مشترکہ محاذ بنایا جائے۔ سوشل ڈیموکریٹک کارکنوں کے ایک حصے نے مزدور طبقے کے ایک متحدہ محاذ کی تشکیل کی ضرورت محسوس کی اور ہزاروں مزدور جرمن کمیونسٹ پارٹی کی صفوں میں شامل ہو گئے۔ لیکن فروری اور مارچ میں متحدہ محاذ کے قیام کا مقصد نیشنل سوشلسٹوں کے تشدد کے خلاف مزدور طبقے کو متحرک کرنا تھا، نہ کہ اس کا مطلب بغاوت کرنا یا بغاوت کی تیاری کرنا تھا۔

پریذیڈنٹ: (مداخلت کرتے ہوئے) آپ ہمیشہ سے زور دیتے رہے ہیں کہ آپ کی گہری دلچسپی بلغاروی سیاسی صورت حال سے تھی۔ آپ کا موجودہ بیان بہر حال یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ جرمنی کی سیاسی صورت حال سے بھی گہری دلچسپی رکھتے تھے۔

دیمتروف: مسٹر پریذیڈنٹ! آپ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں۔ میں صرف یہ جواب دے سکتا ہوں کہ ایک بلغارین انقلابی کی حیثیت سے میں دنیا بھر میں انقلابی تحریک کے بارے میں دلچسپی رکھتا ہوں۔ مثال کے طور پر میں جنوبی امریکہ کی سیاسی صورتحال کے بارے میں دلچسپی رکھتا ہوں گو کہ میں وہاں کبھی بھی نہیں رہا ہوں لیکن میں اس کے بارے میں شاید اتنا ہی جانتا ہوں جتنا جرمن سیاست کے بارے میں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جنوبی امریکہ میں کوئی سرکاری عمارت جل جائے تو میں اس کا مجرم ہوں۔ ان قانونی ساعتوں کے دوران میں بہت کچھ سیکھ چکا ہوں اور اپنی سیاسی اہلیت کی وجہ سے چیزیں پہچانتا ہوں، کئی تفصیلات مجھ پر واضح ہوئی ہیں۔

اس وقت کی سیاسی صورت حال پر دو اہم عناصر حاوی تھے۔ اول، اقتدار کے حصول کے لیے نیشنل سوشلسٹوں کی کوششیں۔

دوم، اس کے بالکل برعکس مزدور طبقہ کی ایک متحدہ محاذ کی تشکیل کے لیے جرمن کمیونسٹ پارٹی کی کاوشیں۔

(جاری ہے)

توکلی مست سے متعلق عوامی قصے

محمد سراج مسوری بگٹی

بگٹی قبیلے کی مسوری شاخ میں ایک پھلی روازانی کے نام سے ہے ۔ یہ لوگ بہت خوشحال امن پسند، شریف اور خوش طبع اور کاروباری وتجارتی لوگ ہیں اور اِس وقت علاقہ پھیلاوغ میں بمقام بوڑ، بیکڑ اور جھالار میں آباد ہیں اور اچھے خاصے زمیندار ہیں۔

روازانی کی خوشحالی کا راز ایک واقعہ میں پوشیدہ بتایا جاتا ہے کہ ایک بار علی شیر روازانی مریوں کے مہمان تھے کہ اُسی رات مریوں کی خیمہ بستی پر غالباً موسیٰ خیل پٹھانوں نے حملہ کردیا۔ اسی بستی میں توکلی مست کی محبوبہ مائی سمو کا خیمہ بھی موجود تھا۔ پٹھان چونکہ زیادہ تھے اور منصوبہ بندی کر کے آئے تھے وہ مریوں کا مال ہنکانے لگے اور جو شخص مزاحمت کرتا اُس کو قتل کردیتے۔ حالات کی نزاکت کو دیکھ کر علی شیر پٹھانوں کی یلغار کو تو نہ روک سکا البتہ تلوار سنبھال کر سمو کے گھر کے قریب کھڑا ہوگیا اور کہا کہ اس گھر اور اس کے مال مویشیوں کی پائمالی میں کرنے نہیں دوں گا۔ اگر کسی نے اس طرف آنے کی کوشش کی تو وہ مری سے نہیں بگٹی سے لڑ رہا ہے ۔ یہ دیکھ کر پٹھان اُس گھر کے قریب نہیں گئے اور یوں سمو کا گھر اور اُس کا مال پٹھانوں کی یلغار سے محفوظ رہا۔ کسی نے جا کر توکلی مست کو اِس بات سے آگاہ کیا تو اُس نے بےساختہ کہا ''ہے مُرد ءِ ھُدا اسیرءُ سَو کا کناش'' یعنی ''اس آدمی کو اللہ خوشحال وآسودہ حال رکھے''۔ اتفاق کی بات ہے کہ علی شیر اُسی سفر سے واپس آرہے تے کہ اُس نے راستے میں چمڑے کی ایک بھری پوٹلی دیکھی ۔ اُس نے پوٹلی اٹھایا اور کھول کر دیکھا تو پوٹلی سونے اور چاندی کی اشرفیوں سے بھرا ہوا تھا ۔ اُس نے جب ادھر اُدھر نظر دوڑائی تو اُسے اور تو کچھ نظر نہ آیا البتہ ایک گھوڑے کے قدموں کے نشانات ملے ۔ وہ گھوڑے کے قدموں کے نشانات کے ساتھ ساتھ آگے گیا تا کہ گمشدہ پوٹلی کو ملک کے حوالے کردے لیکن تھوڑی دُور جا کر گھوڑے کے قدموں کے نشانات پُر اسرار طور پر غائب ہوگئے وہ پیچھے مڑا تا کہ گھوڑے کی آمد کے نشانات پر اُسے تلاش کیا جائے۔ وہ جب قدموں کے نشانات پر پیچھے گیا تو چند گز کے فاصلے سے آگے گھوڑے کے قدموں کے نشانات پھر غائب ہوگئے اور کافی تلاش وبسیار کے باوجود نہ ملے یوں اشرفیوں سے بھری اس پوٹلی کے مالک کا کوئی سُراغ اور اتہ پتہ نہ ملا تو اُس نے اسے ایک غیبی رزق ، امداد اور مست کی نیک دُعا سمجھ کر خود استعمال کیا۔ اللہ نے اُس کی رزق میں وہ برکت عطا کی جو اُس کی نسلوں تک جاری وساری رہی اور آج تک جاری ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اِس وقت روازانی پورے مسوری میں آسودہ حال اور خوشحال لوگ ہیں۔

2

اُچ کی سرزمین پر بگٹیوں کے پیروزانی طائفے اور جمالی قبیلے کے مابین اکثر اوقات زمینی تنازعات پر جھگڑے اور لڑائیاں ہوتی تھیں لیکن ہر دفعہ پیروزانی شکست کھا کر لوٹتے تھے۔ ایک دفعہ وڈیرہ مراد پیروزانی (اول) نے مست سے عرض کیا کہ ہمیں دُعا کیجئے کہ ہم جمالیوں پر فتح پالیں اور اُچ پر قابض ہوجائیں ۔ مست نے اپنی لکڑی والی کنگھی مراد کو دے دی اور کہا کہ اس کو اپنی داڑھی پر لگا کر جنگ پر جاؤ۔ انشاءاللہ فتح تمہاری ہے''۔ چنانچہ مراد اوراُن کے رفقاء نے اپنی داڑھی پر مست کی کنگھی لگائی اور جنگ کے لیے چلے گئے اور فتح یاب ہوکر لوٹے ۔ مست نے کنگھی دیتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ جب بھی کسی دُشمن کے مقابلے کے لیے جاؤ تو کنگھی داڑھی پر پھیر کے جاؤ انشاء اللہ فتح تمہاری ہوگی کہتے ہیں کہ وہی کنگھی آج تک وڈیرہ مراد پیروزانی کے خاندان کے ہاں محفوظ ہے۔

3

ڈیرہ بگٹی میں پیریں نامی ایک مراثی اکثر اوقات مست کے اشعار سَرِیندا اور دنبورہ پر گاتے تھے۔ ایک بار وہ مست کے اشعار گا رہے تھے کہ مست جوش کے ساتھ اُٹھے اور کہنے لگے ''مانگ پیریں کیا مانگتا ہے؟''

پیریں نے کہا ''حضور! دعا کیجئے خشک روٹی سامنے نہ آئے۔

مست نے کہا ''تمہارا گھر دودھ، مکھن، گھی اور دہی سے بھرا رہے گا''۔

کہتے ہیں کہ پیریں کے گھر ہر وقت بکری گائے وغیرہ کا دودھ، مکھن، گھی اور دہی ہر وقت ملتا تھا اور آج تک پیریں زئی (جو ڈیرہ بگٹی کے قریب پیر کوہ میں آباد ہیں) کے گھر دودھ، مکھن، گھی اور دہی سے خالی نہیں ہیں۔

بہت خوشحال اور مالدار لوگ ہیں او جی ڈی سی ایل میں پکے ملازم ہیں۔

4

ایک دفعہ توکلی مست پیر کوہ سے براستہ پوہلی نالہ ڈیرہ بگٹی کی طرف جارہے تھے کہ راستے میں اُس نے ایک بڑا پتھر دیکھا تو اُس سے کہنے لگا ''سمو گرانڈ بیا دیرءَ بروں'' یعنی ''آ، سمو کا دُنبہ آؤ ڈیرہ بگٹی چلتے ہیں''۔ تو وہ پتھر رینگ رینگ کر مست کے پیچھے جانے لگا۔ پوہلی کے دہانے پہنچ کر مست نے

پتھر کو رکنے کا اِشارہ کیا تو وہ وہاں رُک گیا۔ وہ پتھر آج تک پہلی نالہ میں موجود ہے اور ''مست ءَ کوہ'' یعنی ''مست کا پتھر'' کے نام سے مشہور ہے''۔

5

ایک دفعہ توکلی مست نے زین کوہ پر کریہہ کا ایک بڑا درخت دیکھا تو اُس کے جی میں آیا کہ کیوں نہ اِسے کاٹ کر ایک اونچی جگہ پر کھڑا کردوں تا کہ یادگار رہے۔

چنانچہ اُس نے ایک چرواہا جو قریب ہی اپنا مال چرا رہا تھا جس کا نام علی دوست تھا اور بگٹی قبیلے میں چند رانزئی شاخ سے تعلق رکھتا تھا کو بُلا کر کہا کہ'' آؤ اِس کلیر کو کاٹتے ہیں۔ چنانچہ مست اور علی دوست نے اُسے کلہاڑی سے کاٹا اور ایک اونچی جگہ پر گھڑا گھود کر کھڑا کردیا۔ وہ خشک لکڑی آج تک اُسی جگہ پر کھڑا ہے جو''مست ءَ دار'' یعنی'' مست کی لکڑی'' کے نام سے مشہور ہے یہ لکڑی چونکہ ایک اونچی جگہ پر کھڑا کردیا گیا ہے جہاں پر بیٹھ کر خوشگوار موسم میں دریائے سندھ کا بخوبی نظارہ کیا جاسکتا ہے'' مست بھی وہاں بیٹھ کر دریائے سندھ کا نظارہ کرتے تھے۔ لوگ وہاں پر مال مویشی خیرات کرتے ہیں اور بارش کے آنے کی دُعائیں کرتے ہیں۔

6

زین کوہ پر ''مست دار'' کے قریب مست نے اپنے عصا کا سرا زمین میں گھونپ کر چشمہ جاری کیا۔ قریب ہی ایک چندرانزئی کی زمین تھی جس میں وہ فصلیں کاشت کرتا تھا چشمے پر پرندے اور مال مویشی پانی پینے جاتے تھے اور فصل کا تھوڑا بہت نقصان کرتے تھے۔ ایک دن اُس چندرانزئی نے چشمے کے منہ پر پتھر اور مٹی ڈال کر اُسے بند کردیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ مست پاگل ہے اُس نے یہاں چشمہ نکالا ہے پرندے اور مال مویشی میری فصل کا نقصان کرتے تھے جب مست تک یہ بات پہنچی تو اُس نے کہا' بے زبانوں کو پانی پینے نہیں دیتا خود بھی پانی نہیں پی سکے گا۔ چنانچہ چند روز کے بعد اُس کے گھر کی عورتیں جب پانی بھرنے کے لیے ایک کمب (پہاڑی جھرنا) میں گئیں تو اُس کی بیوی سمیت تین عورتیں کمب میں ڈوب کر مر گئیں۔

7

زین کوہ میں ایک جگہ مست نے تین پتھر رکھے اور اُس پر توے کی طرح کا ایک بڑا سا پتھر رکھا۔ اُس جگہ آپ مالداروں سے مویشیاں خیرات کرواتے اور بارش کے آنے کی دُعائیں کرتے اور گوشت اُسی پتھر پر رکھ کر تقسیم کرتے۔ سب سے پہلے سمو راج (عورتوں کا حصہ) نکالتے۔

اُس جگہ پر مست جونہی خیرات کرواتے بادل اُمنڈ کر آتے اور بارش برسنے لگتی۔ ایک دفعہ ایک چندرانزئی نے وہ پتھر پھینک دیا تو اُس کے جسم پر خارش ہونے لگی اور وہ بے چین ہو کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگا۔

لوگوں نے پوچھا یہ بیماری تمہیں کب سے ہوگئی ہے۔ اُس نے کہا میں نے مست کا توا الٹ دیا تھا۔ اُس وقت سے میرے جسم پر خارش ہونے لگی انہوں نے کہا ''تم نے بڑی غلطی کی ہے جاؤ توے کو سیدھا کر کے پتھروں پر رکھ دو اور توبہ کرو تا کہ اِس مصیبت سے تمہاری جان چھوٹے۔ چنانچہ اُس نے جا کر مست کا توا سیدھا کر کے پتھروں پر رکھ دیا اور توبہ کی۔ تب سے اُس کی خارش جانے لگی۔ وہ جگہ آج بھی ''مست ءَ تافع'' یعنی مست کا توا کے نام سے جانا جاتا ہے۔ آج بھی لوگ جب وہاں مویشیاں خیرات کر کے بارش کی دعائیں کرتے ہیں تو فوراً آسمان پر بادل چھا جاتے ہیں اور بارش برسنے لگتی ہے۔

8

زین کوہ پر پلپل کا ایک بہت بڑا سایہ دار اور سرسبز و شاداب درخت موجود ہے جس کو مست ءِ پلپل ''یعنی'' مست کا پلپل'' کہتے ہیں۔ مست موسمِ گرما میں سندھ کی طرف جاتے ہوئے کبھی کبھی اسی پلپل کے سائے میں آرام فرمایا کرتے تھے۔ اسی پلپل کے شاخوں کو مست نے سمو کی بل کھاتی ہوئی سانپ جیسی پتلی کمر اور چمکنے والی پتوں کو سمو کے چہرے سے تشبیہہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ۔

زین ءَ کوہ ءَ من پلپل ءِ دیشہ
دار چوماران چو سمل ءِ سرین ءَ
تاخِ بلکاں چو سمل ءَ دیم ءَ
نیں دہنڑاراں من گڈ غادیشہ
نیں لواراں من شوشغادِیشہ

☆

میر ساگر

نہ جامِ جَم سے، نہ سم سے، نہ قَند سے، مَے سے
مُجھے اسیر کیا ذکھ نے کاڑھتی شے سے

اُور اِس سے پہلے کہ تعبیر ٹُوٹتی کوئی
میں گر پڑا تھا چراغوں کی ٹُوٹتی لے سے

تُمہیں کہا بھی تھا کہ عشق نارسائی ہے
مُر?یدبات بگڑتی ہے بات بننے سے!

عجب طرح ہمیں بے دست و پا کیا خود نے
تُمہیں چراغ جلانے سے، مُجھ کو گانے سے

اُداس ہو کے قفس نے کہا نکل جاؤ!
سَمیٹ کر میں پَروں کو اُڑا، کُھلا جیسے

علاج کوزہ گری شرط رکھ دیا جائے
یہ چاک پھر اُبھر آئیں گے میر سینے سے

کلامِ اقبال، دو حصوں میں

شاہ محمد مری

ہر شاعر کی طرح اقبال کو بھی اُس کی شاعری کے حوالے سے دیکھنا ہوگا۔ یعنی اس کی شاعری کی شعری ساخت، اور اس میں موجود مواد یعنی فکر فلسفہ اور سماجی پیغام ۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ شاعر کی شاعری پہ بات نہ ہو اور محض اُس کے فلسفہ کو لے کر اُسے شاعر مانا جائے۔ چنانچہ اقبال کو ہم دو الگ الگ (مگر باہم پیوستہ) صورتوں میں دیکھیں گے:

1- فن
2- فکر

پہلا حصہ۔

فن

بلاشبہ اقبال ایک زور دار لفظیاتی نظام کا مالک ہے ۔ اُس کی شاعری بہت رواں، پُر معنی، اور مترنم ہے ۔ ایسی فنکاری کہ ثانی ممکن نہیں۔ وہ بلاشبہ ایک بہت بڑا شاعر تھا ۔ بالخصوص اردو میں تو وہ چوٹی کے نیم درجن شعرا میں شمار ہوتا ہے۔ دوام اور بقار کھنے والا بڑا شاعر۔

اقبال کے بارے میں تو بچہ بچہ جانتا ہے کہ اُس کا فلسفہ قابلِ گرفت و نقد ہے، مگر اُس کی شاعری، اُس کا فن نہیں۔ اُس کے فلسفے میں بہت ٹیڑھ بہت سقم ہے مگر اُس کی شاعری حسن و ترنم و روانی سے مالا مال ہے۔ پُر اثر شاعری۔

اقبا ل فلا سفر ہے یا نہیں، فیوڈل دانشوروں نے اس بحث کو بہت آلودہ کر کے رکھ دیا ہے۔ اقبال اُن چند شاعروں میں سے ہے جن کی ''شاعری'' پہ سرکار، پیر، جاگیردار، مولوی، سکول ماسٹر، سرمایہ دار اور اُس کا دانش ور، اور اس کے زیرِ اثر عوام الناس اتنی بحثیں نہیں کرتے جتنا کہ اس کی ''فلاسفی'' پہ۔ اُسے فلاسفر تک قرار دیا جاچکا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر وہ فلاسفر ہے تو کیا اس نے اپنا کوئی فلسفہ استوار کیا یا وہ مروج فلسفیانہ نظاموں میں سے کسی ایک کے ساتھ منسلک ہوگیا ۔ اُس کے تو، مبہم و مدھم اور دھندلائے ہوئے '' خودی ''نامی موضوع کو ایک الگ فلسفیانہ خانہ بنا دیا گیا۔

اب یہی اقبال جسے ہم اٹھتے بیٹھتے فلاسفر فلاسفر کہتے رہتے ہیں خود فلسفہ کے بارے میں کس قدر عجب بات کہتا ہے:

ہے فلسفہ زندگی سے دوری
انجامِ خرد ہے بے حضوری
ہیگل کا صدف گہر سے خالی
ہے اس کا طلسم سب خیالی

بھلا یہ کوئی بات ہے کہ اُس علم کو برا سمجھا جائے جس کی بنا پر انسان زندگی اور اُس کے سرچشموں کو سمجھنے کے قائل ہوا؟۔ خرد کو بے حضور ٹھہرانے کا اور کوئی مطلب نکلے یا نہیں، اُس کی تذلیل اور تمسخر تو صاف نظر آرہا ہے۔

شاعر اقبال کو، فلسفی اقبال کے نرغے میں ڈال دیا گیا۔ ایسا فلسفہ جسے ایک طبقاتی، کثیر القومی اور ذات پات میں پڑے ہر شخص کو قابلِ قبول بنانے پر سو سال، اربوں روپے اور وسائل لگا لیے گئے ہیں ۔ بھئی۔ اُسے آزاد کرو۔ اس کی لاجواب، متحرک کر دینے والی شاعری کو اُس کے دشمنوں کے گھیرے سے باہر نکال دو۔

یاروں نے اسے ایسا بنا دیا کہ گویا اقبال بس فکر ہی فکر رہا۔ اُس نے گویا شاعری کی ہی نہیں۔ سب فکر ہی فکر کا ذکر کرتے رہے۔ یہ درست کہ اقبال اردو کے اُن چند شاعروں میں سے ہے جس نے خالص فکری موضوعات کو شعر کے قالب میں ڈھالا۔ کسے انکار ہے کہ اقبال نے فکر کے بغیر کوئی ایک شعر بھی نہیں کہا ہے؟۔ مگر شعر کی نوعیت کس قدر ارفع و اعلیٰ ہے، اُس کا کوئی تذکرہ نہیں کرتا۔ رواں، تازہ، ساتھ ساتھ چلنے پر مجبور کرنے والا شعر، جھومنے پہ مجبور کر دینے والا شعر۔

خواب اور فلاسفر بنا بنا کر اقبال کو اس قدر متنازعہ بنا دیا گیا ہے کہ اقبال کے دلدادوں اور دلداروں کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ اقبال کا مطالعہ کس زاویے سے کیا جائے۔

اقبال کی شاعری پڑھیں تو اس میں آپ کو فنی جمالیات کی فراوانی ملے گی۔ شعری جمالیات، تشبیہات، تخلیقی توانائی، استعارات، تضمینوں، تراکیب اور تلمیحات کا اس خوبصورتی سے استعمال ہوا ہے کہ عقل حیران ہوجاتی ہے۔ وہ صناعی، مرکبات، بدائع اور لفظیات کو انتہائی ہنرمندی سے Place کرتا ہوا اپنی شاعری کو مرصع بناتا جاتا ہے۔ وہ اظہارِ مطالب کے نئے نئے اور متنوع سانچے بنانے کا استاد شاعر ہے ۔ جس طرح کا خوبصورت زبان و بیان اقبال کے کلام میں موجود ہے اب تک اردو شاعری میں کسی اور کے حصے میں نہ آسکا۔ نقش گر ہے اقبال، مصور ہے، کاریگر ہے، لفظوں کا مالک و مختار ہے۔ اس کی فنی عظمت کا ثانی مشکل سے ملے گا۔

فیض احمد فیض کے بقول ''اقبال اُن معدودے چند شعرا میں سے ہے جو محض جذباتی خلوص کے بل پر ایک فلسفیانہ پیغام کو شاعری کی حد تک پہنچانے میں کامیاب ہوا'' (1)۔

اقبال فنی میدان میں اتنی بلندی پہ ہے کہ اس کی شاعری کو ہمارے خطے کے ادبی شاہکاروں میں بہترین قرار دیا جاتا ہے۔

بھئی اقبال کے فلسفے میں نقص نکالے جاسکتے ہیں، اُس کو غلط صحیح کہا جاسکتا ہے۔ مگر ذرا کوئی مائی کا لعل اُس کی شاعری میں کوئی جھول، برائی، خامی نکال کر دکھائے۔ اقبال کی شاعری کی تسلیم شدہ خوبصورتی بیان کرنا اپنا اور اپنے قاری کا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ آیئے سب مل کر مان لیں کہ اقبال بہت بڑا شاعر تھا اور بہت زمانوں تک بڑا شاعر رہے گا۔

ریفرنسز

1۔ فیض، احمد فیض۔ میزان 2012۔ اردو اکیڈمی سندھ۔ کراچی۔ صفحہ 134

دوسرا حصہ

فکر

ایک بات کھل کر، اور شروع ہی سے واضح کردوں کہ اقبال کا کلام صفحہ نمبر ایک سے لے کر آخری صفحے تک اور ''الف'' سے لے کر ''ی'' تک خالص نظریاتی ہے۔ (1) اور لفظ نظریاتی کا مطلب ہے کہ وہ زندگی سے متعلق ایک نظریہ نظریات رکھتا ہے جسے وہ اپنے فن میں استعمال کرتا ہے۔ یوں اقبال زندگی کے بارے میں، انسان کے بارے میں، اور انسانی معاشرے کے بارے میں شاعری کرتا ہوا تخلیق کار ہے:

شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ بادِ سحر کیا

آیئے، اقبال خوانی اور اقبال فہمی کے لیے ایک گُر بنا لیتے ہیں۔ اور وہ یہ، کہ ہر بڑے فلسفی کی طرح، اقبال کا تجزیہ کرتے ہوئے اُس کی فکر کے عمومی مجموعی رجحان کو دیکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ محض ایک آدھ شعر یا فقرہ اُس بڑے حجم والے شاعر کی نمائندگی نہیں کرسکتا۔ وجہ یہ ہے کہ اقبال اُن دانشوروں میں سے ہے جو کبھی کبھی اپنی سوچ، نظریے حتیٰ کہ عقائد کے خلاف بھی بول پڑتا ہے۔ چنانچہ ہمیں اُس کے ہاں موجود اس تضاد کو اپنے مطالعے میں حارج ہونے نہیں دینا چاہیے۔

آیئے ہم پہلے اُن موضوعات پہ بات کریں جن پہ آج کی نسل اقبال سے متفق نہیں ہے۔

اِس حصے کا نام میں رکھ رہا ہوں: ثریا تك ٹیڑھی دیوار۔

دوسرا اور بہت ضخیم حصہ وہ ہے جہاں اقبال ہمارے تجزیے میں مدد دیتا ہے، جدوجہد کے لیے اکساتا ہے، راہ کے انتخاب میں گائیڈ کرتا ہے اور ہمارے ساتھ قدم سے قدم ملاتا ہے۔ اُس حصے کا نام میں نے رکھا ہے: نجات کا شاعر، اقبال۔

1۔ ثریاتك ٹیڑھی دیوار

اقبال کے ''فلسفے'' کا ایک بہت ہی دُھرایا گیا لفظ ہے: ''خودی''۔ اس کبھی بھی نہ سمجھے جاسکنے والے خودی کا شور وغوغا سن سن کر تین چار نسلیں پگھل اور گزر گئی ہیں۔ یہ ایک ایسی دیگ ہے جس میں نوح کی کشتی کی مانند سب کچھ ڈال دیا گیا ہے۔ یہاں آپ کو چرند بھی ملیں گے، پرند بھی، نیز نباتات وحجرات کی ہر ورائٹی ملے گی۔۔۔ لہذا کچھ بھی نہیں ملے گا۔

مگر نام میں کیا رکھا ہے۔ خودی رکھیے یا بے خودی، اصل بات تو Content کی ہے۔ اس لیے کنفیوژن میں لپٹی اِس اصطلاح کو چھوڑ کر، آیئے اقبال کے فکر وفن سے متعلق وہ موٹی موٹی باتیں دیکھتے ہیں، جو سائنسی اور روشن فکر نہیں ہیں، مگر پھر کہیں خود ہی اُن کو مسترد کرتے ہوئے خرد افروز بات کرتا ہے۔

آئیڈیلزم، تقدیر پرستی

آیئے اقبال کا ایک بہت ہی ضروری شعر پڑھتے ہیں، اُس کے بعد اپنی بات کرتے ہیں:

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

یہ شعر اس لیے پیش کیا کہ قاری اس بڑے شاعر پہ کٹر رجعتی ہونے کا فوری فتویٰ نہ لگائے۔

پھر یہ بھی سچ ہے کہ اقبال خارجی معروضی زندگی اور اس کے تمام شعبوں اور امور سے متعلق کبھی کبھی تو بور کرنے کی حد تک منفی رویہ رکھتا ہے اور فردِ واحد کی من کی دنیا کی سرمستیوں اور سرشاریوں کو ہی مثبت قرار دیتا ہے:

من کی دنیا! من کی دنیا سوز ومستی، جذب وشوق
تن کی دنیا! تن کی دنیا سُو دوسودا، مکر وفن

سو دوسودا، اور مکر وفن کی دنیا کو مسترد کرنے کے لیے ایک بڑے ہتھیار کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر اقبال کو تو بنا بنایا ہتھیار مل گیا تھا۔ اس نے ''آئیڈیلسٹ (عینیت پرست) ایشیا'' میں جابجا موجود تمام عناصر و الفاظ و اصطلاحات کو چُن کر اپنی شاعری میں ڈال دیا۔

اور یہی آئیڈیلزم، آخر تک اقبال کے قاری کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ وہ اسی آئیڈیلزم کی پابندی کو گھما پھرا کر پختہ ہی بناتا رہا۔ دلچسپ ہے کہ وہ اس آئیڈیلزم کے پاؤں چھوتا رہتا ہے مگر اگلے لمحے اس کا گلا بھی دباتا ہے۔ مگر وہ سینچتا اِسی کو ہے۔ اقبال ہمہ وقت دنیاوی فیصلوں کو مادی دنیا سے کہیں باہر تلاش کرتا ہے۔ حالانکہ وہ انسان کی تعریفیں بھی کرتا ہے مگر مجموعی طور پر انسان کے اپنے ہاتھ کچھ بھی نہیں رہنے دیتا، تقدیر سب کچھ اپنے ہاتھ

میں رکھتی ہے۔ اور اگر اقبال خود کبھی عینیت پسندی یا آئیڈیلزم کے ایک شعبے کو وقتی طور پر مسترد کر بھی دیتا ہے، تو اسی نظریے کے اندر موجود دوسرے شعبے کو گلوری فائی کر لیتا ہے۔

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند

مومن تو خود ایک مجسم تصور ہے، جو کھڑا ہی تقدیر پہ ہے۔ باطل، بیضا، مقدر، معجزہ، پردِہ غیب، فرنگ،.....اقبال کا یہ بہت ہی مخصوص ڈکشن آئیڈیلزم کی چوکھاٹ میں رہتا ہے۔

اقبال کو دس لاکھ روپے دے دو بھی وہ آپ کو زندگی، اس کی مادی ضرورتوں اور عوامل سے دوستی کرانے کو کبھی بھی تیار نہیں ہوتا۔ وہ ترقی، ماڈرن طرزِ حیات، سائنس، ٹکنالوجی، جمہوریت، اور آزادی جیسی نعمتوں کو، لفاظی میں خوب ملفوف کر کے صلواتیں سناتا رہتا ہے۔ دیکھیے:

مشامِ تیز سے ملتا ہے صحرا
میں نشاں اُس کا
ظن و تخمیں سے ہاتھ آتا نہیں آہوئے
تاتاری
مجھے تہذیبِ حاضر نے عطا کی ہے وہ
آزادی
کہ ظاہر میں تو آزادی ہے، باطن میں
گرفتاری

اقبال مستقبل کے لیے لاکھ اچھی باتیں کرے مگر وہ کہیں بھی آئیڈیلسٹ ماضی پرستی سے نکلنے پہ آمادہ نہیں ہوتا۔ گھما پھرا کر عقیدے میں لپیٹ کر اُس کو سراہنے، اس کی توصیف کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔'' ساقی نامہ'' میں اس کی فکری بے بسی دیدنی ہے:

شرابِ کہن پھر پلا ساقیا
وہی جام گردش میں لا ساقیا

محمد بن قاسم اور محمود غزنوی کے دورِ عروج کو زمان و مکاں کے مادی متعلقات سے جدا کر کے اقبال اپنے تصوراتی سومنات کا خود مجاور بن جاتا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ کسی بھی نظامِ فکر جسے ابدی یا دائمی قرار دیا جاتا ہے، اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ انسانی سماج کے حقائق بھی ابدی رہیں۔(2)۔ مگر سماج تو ہمہ دم بدلتا رہتا ہے، اس کے رشتے ہمہ وقت بدلتے رہتے ہیں۔ تو پھر وہی جام گردش میں کیسے لایا جا سکتا ہے جس کا سارا پیراڈائم فوت ہو چکا ہو۔

اور پھر ایک مسئلہ یہ ہے کہ اقبال کے ہاں قدیم اصطلاحات خود کو دھند اور گرد میں لپیٹ لیتی ہیں اور تیل میں ڈالا کوڑا بن کر قاری کو مارتی رہتی ہیں۔ مثلاً: عشق کی اصطلاح۔ مجھے لگتا ہے کہ اقبال نے اس لفظ ''عشق تیل میں ڈالا'' کو نئے زمانے میں عینیت پسندی کا سائن نہیں بلکہ بل بورڈ بنا دیا ہے۔

حافظ بھی یہ لفظ استعمال کرتا ہے۔

از صدائے سخن عشق ندیدم خوشتر
یادگارے کہ در این گنبد دوار بماند

ترجمہ:
میں نے صدائے عشق سے زیادہ خوشتر بات نہ دیکھی
جو اِس گنبد میں ہمیشہ یادگار رہنے والی ہے۔

رومی بھی لفظ ''عشق'' کی مہملی میں اضافہ کرتا جاتا ہے:

ہر چہ گویم عشق را شرح و بیان
چوں بہ عشق آیم خجل باشم ازاں

ترجمہ: میں عشق کی تشریح اور بیان جو کچھ کرتا ہوں
جب عشق میں پڑتا ہوں اس سے شرمندہ ہوتا ہوں

''عشق'' ایک بہت ہی غیر حتمی لفظ ہے۔ یہ بہت غیر مخصوص اصطلاح اور بہت مبہم تصور ہے۔ یہ رومانوی فیوڈل ازم کے عہد کی سب سے رومانوی اصطلاح ہے۔ یہ اصطلاح دیگر آئیڈ لسٹ دانشوروں کی طرح ہمارے اقبال کو بھی بہت سُوٹ کرتی ہے۔ آپ نے جس بات سے توجہ یہاں وہاں کرنا ہو، اور جامع کو ابہام کے دبیز جامے پہنانے ہوں تو '' عشق'' جیسے لفظ بہترین کام آتے ہیں:

زبان اگرچہ دلیر است و مدعا شیریں
سخن ز عشق چہ گویم جزیں کہ نتواں گفت

سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ اُس کے ہاں یہ جو عشق ہے ناں، یہ بدبخت، عقل سے بھی برتر ہے۔ ادھر ہی تو مار کھاتا ہے ہمارا بزرگ فلسفی۔

شاید ''عشق'' لفظ کو سماجی اور کار آمد معانی فیض نے بخشے ہیں۔ عشق کا ابہام کچھ کچھ چھٹ جاتا ہے۔

ہم جا بجا دیکھیں گے کہ اقبال کی موسیقی بھری شاعری میں بہت ساری آفاقی باتیں موجود ہیں۔ ایسی کہ جن کی نظیر ملنی بہت مشکل ہے۔ مگر اِن ساری اچھی باتوں کے بعد پھر اچانک اِس گھڑ سوار کو کچھ ہو جاتا ہے اور اس کا گھوڑا بلا کسی اشتعال اور سبب کے بدک کر آئیڈیلزم کے گڑھے میں چاروں شانے چت جا گرتا ہے.....وہ نہ صرف خود بلکہ ہم جیسے دلدادگانِ اقبال کو بھی گڑھے کے پیندے میں ساتھ لے جاتا ہے۔ مثلاً:

حیات کیا ہے خیال و نظر کی مجذوبی
خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گونا گوں
ضمیرِ پاک و نگاہِ بلند و مستی و شوق
نہ مال و دولتِ قاروں، نہ فکرِ افلاطوں
علاج آتشِ رومی کے سوز میں ہے ترا
تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں

اقبال انسانی زندگی کو نظر کی مجذوبی قرار دیتا رہا ہے۔ وہ باطن کے نہاں خانوں کا راہی ہے۔ بہت جگہوں پر وہ سائنس و سائنسی طرز کو توہین کے ساتھ رد کرتا ہے۔(3)۔

اس کا فلسفہ زمانے کی حرکت اور تغیر سے بے نیاز ہے، نہ اس کے ساتھ موازنہ جائز ہے اور نہ ہی اس سے مکالمے کی خواہش مند ہے؛ نہ اُس سے خوش اور مطمئن ہے اور نہ اُسے بدلنا چاہتا ہے۔ اس لیے کہ وہ سماج بدلنے کے لیے لازمی حالات، اوزار و آلات

اور اسباب وعلل سب کچھ کو مسترد کرتا ہے۔بندۂ خدا بندۂ زمانہ نہیں ہوسکتا:

یہ بندگی خدائی، وہ بندگی گدائی
یا بندۂ خدا بن، یا بندۂ زمانہ

سمپل ۔ دوٹوک ۔ واضح ۔ ....لوہار کا ہتھوڑا، اسلامی نظریاتی کونسل کا فتویٰ۔

مگر، اقبال تو بلا شرط اور بلا امتیاز اور بلا واسطہ ماضی کی طرف بھی نہیں لوٹنا چاہتا۔اس لیے کہ وہاں بھی اسے اُن لوگوں کی تلاش تھی جو اسباب و علل پہ یقین نہ رکھتے ہوئے ایقان کے زور سے چلتے تھے۔روحانیت کے آنکھ بندھے گھوڑے پر سوار اُسے سرپٹ دوڑاتے جاتے تھے ۔عقل، دلیل، مِیٹر، سائنس، اورشعور اقبال کے سکول آف تھاٹ میں ممنوعہ علاقے ہیں۔اقبال جدید علم، جدید سولائزیشن اور جدید آرٹ وکلچر کو کچھ اس انداز سے دیکھتا ہے کہ جیسے عالم انسان سے کوئی بھیانک جرم سرزد ہوگیا ہو(4)۔وہ ستا روں پر تصوراتی کمندیں ڈالنے والوں سے محبت کرتا ہے۔وہ کائنات کی تسخیر سائنس اور ٹیکنالوجی کے مادی وسائل کی بدولت نہیں، بلکہ محض باطنی حوالے سے کرنے کو کہتا ہے، مائتھالوجیکل قوتوں کے ذریعے، دیو، پری، جن ، راکھشس جیسے تصوراتی ذرائع سے ۔

وہ اپنے اس موقف کی خاطر زبان و لفظ وشعر کی لٹھ لے کر دندناتا رہا کہ روحانیت سے روگردانی گویا زوالِ اکبر ہے، اور میٹریلزم یعنی تعلیم کی طرف رغبت گویا انسانیت کی بربادی ہے۔(تو پھر آج اُس کی پیروکار ریاست اُن عناصر کو کیوں برا کہتے ہیں جب وہ سوات اور پنجگور میں سکول اڑاتے ہیں اور سوراب میں سکول بنانے نہیں دیتے ؟)۔

وہ سارے میٹریلسٹ علوم، جن کی بنیاد تشکیک، تجربے، مشاہدے اور عقل پر ہے انہیں وہ اپنے پیروکاروں کے لئے زہر سمجھتا ہے۔

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبریئل نے
جو عقل کا غلام ہو، وہ دل نہ کر قبول

مندرجہ بالا شعر پڑھ کر انگشتِ حیرت تو کیا بازوئے حیرت دانتوں میں چلا جاتا ہے۔وہ اقبال جو بہت ساری جگہوں پر ہمارا ساتھی لگتا ہے، عقل وخرد کی ہنرکاری کا اتنا بڑا دشمن بنتا ہے۔

یہی آدم ہے سلطاں بحر و بر کا
کہوں کیا ماجرا اس بے بصر کا
نہ خود بیں، نے خدا بیں، نے جہاں بیں
یہی شہکار ہے ترے ہنر کا

اقبال نے کہیں تو انسانی علوم کو الحاد قرار دے دیا اور کہیں ان کو مردِ مومن کے ذوقِ یقیں کی تسکین کا ساماں قرار دے دیا ۔نظم ’’ طلوعِ اسلام‘‘ میں اقبال مردِ مومن اور اس کے یقین کی سربلندی کے لئے ایسے ہی فکری الجھاؤ کی چوٹی پہ بیٹھا ہے:

جب اِس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کرلیتا ہے یہ بال و پر روح الا میں پیدا
غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایت، پادشاہی، علمِ اشیا کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں، فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں

لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ نوجوانوں کی نگاہ ستاروں پر ہے اور پاؤں زمین سے بندھے ہوتے ہیں۔ آیئے سٹیفن ہاکنگ کے ایک فقرے سے اِس عنوان کو ختم کرتے ہیں:

’’میں نے دیکھا ہے کہ جو لوگ یہ اصرار کرتے ہیں کہ ہر چیز تقدیر میں لکھی جا چکی ہے، اور ہم اُسے تبدیل نہیں کرسکتے، وہ بھی سڑک پار کرنے سے پہلے دونوں جانب دیکھتے ہیں‘‘۔

ریفرنسز

1۔سبطِ حسن ، ادیب اور سماجی عمل ۔ ایڈیٹر جعفر احمد ،مکتبہ دانیال ،کراچی۔2016صفحہ 103۔
2-درویش، صلاح الدین۔فکرِ اقبال کا المیہ۔کتابی سلسلہ’’آج‘‘۔اپریل جون2013،صفحہ 155
3۔ایضاً۔صفحہ 161
4۔ایضاً۔۔صفحہ 162۔

☆

گل خان نصیر

روشں لونجان اِنت، جمرانت سہریں
یات کاینت منی دلا دوریں
پُل گُذانی املی و شیشاریں
دلبرانی، زواز ملگوریں
مہتگانی ، کتار و بازاریں
بنگلانی، چوک و شازوریں
کوہ سرانی، غبار و دیر پندیں
چپگانی ، برآپ و آدینکیں

اے وطن ملّہ و براھداریں
یات کایئے مژاں مس تاموریں
شپ کہ چنڈاں بیت مہکانیں
دل کپی ترانگاں تئی بوریں

....

بیل و یارانی یات، دلمانیں
سک بُتا ڈنگ جنت درگوریں
زندگی ، او نصیؔر دُرگلیں
لیوئے یک، منگھانی منگھوریں

بیتے پل کی کہانی ---!"

جاوید اقبال

میں ادبی کتابیں خاص طور پر آزاد نظموں کے مجموعے پڑھنے کے بعد اپنے ضلع کی حدود سے باہر کسی دوست کے ہاں چھوڑ آتا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہوں گے۔ مگر کچھ کتابیں ایسی ہیں جنہیں خود سے جدا کرنا میرے بس میں نہیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر طاہرہ اقبال صاحبہ کی لازوال کہانیاں، مجھے لگتا ہے کہ گویا انہوں نے میری دکھتی ہوئی رگوں پر لکھ چھوڑی ہیں۔

انسانی تاریخ وحشت، بربریت اور تہذیبوں کے ادوار گزار کر اب انفرمیشن ٹیکنالوجی کے زمانے میں آن پہنچی ہے۔ اب صحیح معنوں میں انسان کے گرد ایک بہت بڑا عالمی گاؤں وجود میں آ چکا ہے۔ مگر ایک گاؤں ایسا بھی ہے جو ہر انسان کے اندر ہے۔ اس گاؤں کا نام ہے " گراں " جس میں ڈاکٹر طاہرہ اقبال صاحبہ آپ کا سواگت کرتی ہیں۔

انسان کا جیون آئے گئے پانی کا ایک ریلا ہے۔ ایک سے دوسرے ریلے کا وقفہ "جنریشن گیپ" کہلاتا ہے۔ " گراں " اسی بیرحم حقیقت یعنی "جنریشن گیپ" کی سلسلہ وار کہانی ہے۔

" گراں" کی ایک خاص بات ہے۔ اس میں ہر شے پرانی ہے۔ پرانے لوگ، پرانی رسمیں۔ پرانی قبریں، پرانی کہانیاں۔ پرانے درخت، ان پر ٹنگی ہوئی پرانی دھجیاں۔ پرانے راستے، پرانی گلیاں۔ پرانے نام، پرانے نشان۔ پرانا ریلوے اسٹیشن، پرانے مکان، پرانا رہن سہن اور پرانے طور طریقے۔ پوٹھوار پرانا ہے۔ اس کی پہاڑیاں، کھاڑیاں، جھاڑیاں، راستے، چشمے، دربار، مزار،---مگر اب بہت سا وقت گزر گیا ہے۔ سب کچھ بدل کر رہ گیا ہے۔ لوگ اب پہلے سے جفاکش نہیں رہے۔ ان کی زبان اور لہجہ بدل چکا ہے۔ رہن سہن اور لباس کی تراش خراش اور سے اور ہو گئی ہے۔ مکانوں کی تعمیر ویسی نہیں ہے۔ برتن نئے ہیں۔ اب چشموں کا پانی کوئی نہیں پیتا۔ غیر ملکی پیسے کی ریل پیل نے ویرانوں میں بھی چہل پہل پیدا کی ہے۔ دشوار گزار راستوں پر آرام دہ سڑکوں کے فرش بچھ گئے ہیں۔ لوگوں کے خیالات بھی کتنے ماڈرن ہیں۔

" گراں" قدیم سے جدید طرز زندگی میں ڈھلتے ہوئے حالات و واقعات کی چھوٹی چھوٹی کئی کہانیاں اپنے اندر لیے ہوئے ہے----- آپ کا آج تو سامنے کی بات ہے۔ کل تک آپ کیا تھے، یہ آپ اپنے " گراں" میں جا کر دیکھیے۔ ہوسکتا ہے کہیں کسی گلی میں آپ کو یادوں کی کوئی پرچھائی مل جائے-----کسی قبر میں آپ کی کہانی کا کوئی کردار دفن پڑا ہو---- کسی گیت کی گونج آپ کو پکارتی ہو-----کسی نے راہوں میں آپ کے لیے اپنی پلکیں بچھا کر رکھ دی ہوں----- ہوسکتا ہے کسی خستہ مکان کے کسی کونے کھدرے میں آپ کا کچھ سامان پڑا ہو---- تو سامنا کرنے کے لیے خود کو تیار کر لیجیے، " گراں" میں آپ کے ساتھ کچھ بھی ہوسکتا ہے۔

پیارے بابا' عبداللہ جان جمالدینی' کے نام

نوشین قمبرانی

ہمارے بچپن کے موسموں میں،،
تمہاری آنکھوں کی چاشنی تھی
عجب زمانہ خمار سا تھا،،،،،،،،،
عجب وہ خوابوں کی راگنی تھی.
تمھارا آنگن دھنک دھنک تھا،،،،،
ہر اک تمنا مہا گنی تھی.....
نہ کوئی مذہب تھا جاں کا دشمن،
نہ ماتمی رنگ چاندنی تھی.....
وہ کیا سماں تھا محبتوں کا،،،،،
ہماری راہوں میں روشنی تھی...
مگر زمانے کی کم-نگاہی کے،،
درد بابا بہت کڑے ہیں.....
یہ تم سے وابستہ سارے رستے،
یہ گلز میں اور تمھارے بچے،،،،،
علامت_ قہر و غم بنے ہیں.....
مگر ستم سے نہیں ڈرے ہیں.....
تمھارے رنگوں میں ہی رنگے ہیں،
ہم آشتی کا علَم بنے ہیں.....

مست توکلی

(1896-1825)

ڈاکٹر حسن خان

یہ کتاب ''مستیں توکلی ''میں نے جھٹ پٹ لائبریری میں بیٹھ کر پورا الف سے یا تک شدمُد کے ساتھ پڑھی۔ میں نے یہ کتاب اِس نیت سے پڑھی کہ مست توکلی کے نقش پاپر چلنے کی جسارت کرسکوں مگر میرے ارمانوں کو''کے ٹو'' کی بلندیوں سے بلنداور''marrinotrench'' سے گہری چوٹ تک لگی جب میں نے''پوہ زانت'' واٹس اپ گروپ کھولا تو میرے پیروں تلے زمین کھسکنے لگی ۔میری پریشانی کا یہ عالم ہوا کہ مجھے دن کو تارے نظر آنے لگے۔گروپ میں تھا کہ''قدرت نے مست کو کہیں اور پہنچایا تھا سمو تو ایک بہانا تھا''۔

خیر! اس کتاب نے مجھے کچھ دیا یا نہیں مگر مجھے مست شناس بنایا ضرور ۔قدرت کا کرشمہ دیکھو مجھے 97 سال کا ایک ضیف العمر ایک ہیرا ملا جو نہ صرف کتاب مستیں توکلی کے واقعات کے تصدیق کرتا بلکے اُس کا جذبہ اور لگن نے اس حد تک مست شناس بنایا کہ میں نے یہ تہیہ کرلیا کہ میں مست کے مزار پر حاضری دونگا۔ہائے بے بختی رفیق سفر نہ ملے

وائے تن آسانی، ناپید ہے
وہ راہی
جو بختی سفر کو سامان منزل سمجھے

بہر حال دردِ دل کو ہلکا رکھنے کے لیے اپنے اصل مدعا پر آتے ہیں۔سمو، سمو جی ہاں سمو جس کا مطلب ظہور شاہ ہاشمی اپنی ڈکشنری میں ملوک، شرف دار، خانوادہ، نازک اور اچھا لکھا ہے۔ جبکہ غنی پرواز کے خیال سمو کا مطلب ہے جو ریعنی زہر (نیز سمل سرسبز درخت کو بھی کہتے ہیں) ۔مست اپنی شاعری میں سمو کو بھی سمی ۔ سمل کے نام سے پُکارتے، میں مگر آج بھی بلوچ سمو کے نام کے ساتھ مائی یا سمو کا نام اُس عقیدت و احترام سے لیتے ہیں کہ خود اس کے نام کے تلفظ سے عقیدت و احترام اور مٹھاس ٹپکتی ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی یا بدبختی سمجھیے کہ ہمارے ہاں Happy Birthday والا شوشہ نہیں لہذا سمو کا نہ تاریخ پیدائش معلوم ہے نہ وفات۔سمو مری قبیلہ کی سب سے بڑی شاخ کلوانڑیں سے تعلق رکھتی تھی۔والد محترم کا نام بشکیا اور شوہر کا نام بیورغ تھا۔

بیورغ مری کے پروئی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا ۔مجھے نہ اس کتاب سے اور نہ مجھے مست کے شیدائی سے یہ معلوم ہوسکا کہ بیورغ نے لب دیا یا نہیں یا یہ لب کا لعنت ابھی نمودار ہوا ہے حالانکہ اس قبیلہ میں جتنے بڑے انسان پیدا ہوئے میرے خیال میں پورے بلوچ قوم میں سمو کا ثانی نہیں ہوسکتا ۔مست توکلی سمو کے عشق میں بندھ کر عام عورت نہیں بلکہ اب وہ سمو بیلی بن گیا۔

مستیں توکلی کون تھا ۔سمو کے عشق میں مبتلا ہونے کے بعد اُس کا اپنی کیفیت کیسا تھا وہ خود اپنی اس کیفیت کا اظہار کرتا ہے کہ''ایک طرف سے میں آرہا ہوں اور دوسری طرف سے گدّا، ہم دونوں کے ذہنی حالات کچھ اچھے نہیں ہیں۔

خیر ہم باتوں باتوں میں بہت آگے گئے۔ہاں میں بتا رہا تھا Big bang theory کے بارے میں کہ مست عام بلوچوں کے طرح گلہ بانی یا مال مویشی چراتا تھا۔اُس کی بہار خان نامی آدمی سے دوستی تھی !ایک دن دونوں سفر پر جارہے تھے کہ اچانک بادلوں نے کایا پلٹ لیا ۔ندی کا پانی باولے اونٹ کے طرح ہر ذی شعور حیات کو دھاڑتا رہا تو یہی دونوں جگری دوست کسی محفوظ پناہ گاہ تلاش کر رہے تھے کہ اُن کا فوکل پوائنٹ پر ایک گدان آیا تو وہ دونوں اس گدان یا جھونپڑی کی طرف آئے تو اس عورت نے بلوچی رسم کے مطابق تڈا (مہمان نوازی کی چٹائی)لاکر دیا۔سمو کے نئی شادی ہوئی تھی ۔ بادل بھی غرّا رہے تھے۔سمو کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے ۔اب میدان حرب (جنگ) سج چکا تھا۔ایک طرف دنیا کے معصوم ترین سمل اور دوسری طرف بارش اور ہوا ہے۔ گدان عین اس وقت محبت کا بگ بینگ بج چکا تھا۔ سیکنڈ کے سویں حصے نے ایک پوری زندگی بدل ڈالی۔ مست پوری رات نہیں سویا صبح بہار خان نے پوچھا تمہیں رات کو کسی سانپ نے کاٹا کہ پورے رات جاگتے رہے ہو؟ تو مست توکلی نے کہا وہ عورت میرا دل لے گئی اب میں کسی کام کا نہیں۔

سمو کا حسن : مائی سمو کے بارے میں روایات ہے کہ وہ زیادہ گوری نہیں بلکہ سوزا رنگ اور سانولی تھی ۔ایک دفعہ وڈیرہ علی ہاں بگٹی ایک گھڑ سوار دستے کے ساتھ مری کے علاقے سے گزر رہا تھا وہ ایک بڑے تالاب کے قریب گزرے تو انہوں نے مریوں کی کئی خواتین کو پانی بھرنے کے لیے تالاب کے طرف جاتے ہوئے دیکھا ۔علی ہاں نے ہیتان سے کہا اُن عورتوں میں مست کی محبوبہ موجود ہے۔وڈیرہ سمو کو ایک نظر دیکھنا چاہتا تھا ۔جب سمو حاضر ہوئی تو ہیتان نے کہا بہن میں نے آپ کو اس لیے تکلیف دی کہ مست آپ کی بہت تعریفیں کرتا ہے۔

سمو نے کہا ! ادا مست زوراخے ۔مناں اکھریں صورت تہ نیستیں ۔من ہمشاں، کہ تئی چمانی دیماہاں۔

آج ہر محبت کرنے والا انسان مست کی داستان سن کے خاموشی سے کہتا ہے: جی ترا مستیں توکلی!

سنگت پوہ زانت نشست

عابدہ رحمٰن

مہینہ پھر گزر گیا اور ہم سب سنگت پروفیشنل اکیڈمی میں اپنے ماہانہ ادبی نشست پوہ زانت کے لئے حاضر تھے۔ پتہ چلا کہ ڈپٹی سیکرٹری نجیب سائر کی غیر موجودگی میں سٹیج سیکرٹری کے انتظامات مابدولت کے حصے میں آئے۔ لکھنے میں گزارا کر لیتی ہوں لیکن بولنے میں زبان اکثر و بیشتر لڑکھڑا جاتی ہے لیکن کیا کریں کہ سنگتوں کا حکم ہماری ذمہ داری۔

پروگرام کا باقاعدہ آغاز کرتے ہوئے سنگت اکیڈمی کے جنرل سیکرٹری ڈاکٹر عطا اللہ بزنجو صاحب کو کرسی صدارت سنبھالنے کی دعوت دی اور پھر اکبر ساسولی کو بلایا کہ وہ مجید کے افسانے کا اردو ترجمہ 'لاوارث قبر کا وارث' سنائیں جو ایک خوبصورت افسانہ تھا اور سب سننے والوں نے پسند کیا۔

31 جولائی ہو تو ایسے میں محمد رفیع کو کون بھول سکتا ہے اور پھر ڈاکٹر عطاء اللہ بزنجو...؟ لہذا عابدہ رحمان نے انھیں دعوت دی کہ وہ محمد رفیع کی برسی کے موقع پر اپنا مضمون 'چل اڑ جارے پنچھی' پڑھ کر سنائیں۔ رفیع سے محبت سامعین نے ڈاکٹر صاحب کے مضمون میں خوب محسوس کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ " محمد رفیع کو گانے کے لیے کسی خاص موسم کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ وہ ہر موسم کو بے ایمان سمجھ کر اپنی آواز کا جادو سماعتوں سے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اتار دیتے تھے" مضمون کا انت انھوں نے ان فقروں سے کیا " فضا رنگین، ادا رنگین، یہ ترسا کے چلے جانا۔ محمد رفیع کی طرح۔۔۔۔"" جہاں تو ہے وہاں میں ہوں " ہوئی شام تو انکا خیال آیا۔ تو تو نہ آئے تیری یاد ستائے۔! ساحل پکارتا ہے سمندر چلا گیا۔۔ دنیا سے موسیقی کا پیمبر چلا گیا۔۔ لوٹ کر آنا جا رہے ہو کہاں، چل اڑ جارے پنچھی اب یہ دیس ہوا بیگانہ۔ لیکن اس بار پنجرہ اڑ گیا اور پنچھی یہیں رہ گیا۔ یقیناً ایسا انسان جو لاکھوں کروڑوں انسانوں کے دلوں میں دھڑک رہا ہو وہ پنچھی کہاں اڑ سکتے ہیں۔

اس بہت اچھے مضمون کے بعد جوہر بنگلزئی کو اپنا کلام سنانے کی دعوت دی جنھوں نے اپنی براہوی شاعری سنائی اور داد وصول کی۔

ڈاکٹر منیر رئیسانی صاحب ہوں اور ان سے کچھ سنا نہ جانے ایسا تو نہیں ہوسکتا لہذا انھیں دعوت دی گئی کہ وہ اپنا کلام سنائیں۔ وہ کہتے ہیں کہ

گمان_ عمر کو وابستہ ثبات کرے
ہماری خاک سے گر تیری خاک بات کرے

سخن ہے آئینہ ایسا کہ جس میں عکس کی لو
درون_ ذات کی عریانیاں قنات کرے

تمام عمر کی شیرینیوں کی ٹھنڈک کو
مثال_ زہر_ ہلاہل سلگتی رات کرے

ہمیشہ کی طرح انکی خوبصورت غزل کا مزہ لیا۔

ڈاکٹر منیر کے بعد نئے آنے والے سنگت نصیر احمد نے بھی اپنی بلوچی شاعری سنائی جسے بہت پسند کیا گیا۔

شاعری کے بعد ڈاکٹر شاہ محمد مری نے ایک ڈسکشن چھیڑی کہ " آئی ایم ایف مارچ کے بعد مزید سختیاں کرے گا۔ معیشت برباد ہے۔ ایسے میں ہم انٹیلیکچولز بطور ادارہ کیا لائحہ عمل اختیار کریں جس میں ہمیں واضح ہو جائے کہ عوام کی طرف سے ان حالات کا کس طرح سامنا کیا جائے"۔ موضوع پر دوستوں نے سیر حاصل گفتگو کی اور آخر میں طے پایا کہ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اپنی ہر میٹنگ میں اسے جگہ دی جائے کم از کم دس پندرہ منٹ تا کہ اس پر دوست بحث کر سکیں۔

اس فیصلے کے ساتھ پروگرام کو آگے بڑھاتے ہوئے جید خان جمالدینی، کو قرار دیں پڑھنے اور دوستوں سے منظور کرانے کی دعوت دی گئی جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ اجلاس اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں ہونے والے شرمناک واقعے کی مذمت کرتا ہے اور اس میں ملوث افراد کو کڑی سے کڑی سزا کا مطالبہ کرتا ہے۔

2۔ مہنگائی کے منہ زور طوفان پر کنٹرول کرنے کا مطالبہ کرتا ہے اور عوام پر ٹیکسوں کے بوجھ سے نجات کا مطالبہ کرتا ہے۔

3۔ جاگیرداری کا خاتمہ کیا جائے اور زمین کی حد بندی کا اور بے زمین کسانوں میں زمین کو تقسیم کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

4۔ کسانوں کو مفت کھاد، زرعی ادویات، مشینری اور مفت بجلی کی فراہمی کا مطالبہ کرتا ہے۔

5۔ بے روزگاری کے خاتمے اور ملازمتوں کی فراہمی اور بے روزگار نوجوانوں کو بے روزگار الاونس دینے کا مطالبہ کرتا ہے۔

6۔ بلوچستان کے معاشی و سیاسی مسائل ٹھوس اور برابری کی بنیاد پر حل کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

7۔ مسنگ پرسنز کی فوری بازیابی کا مطالبہ کرتا ہے۔

قراردادوں کے بعد ڈاکٹر عطاء اللہ بزنجو صاحب نے صدارتی کلمات میں کہا کہ اکبر ساسولی کا پڑھا گیا افسانہ لاوارث کا وارث بہت خوب اور جاندار تھا۔ انسان کی اس کی زندگی میں ہی قدر کرنی چاہیے۔ ڈاکٹر منیر رئیسانی اور جوہر بنگلزئی نے اپنی زبردست شاعری سے ہمیں خوب محظوظ کیا۔ ڈاکٹر شاہ محمد مری نے موجودہ حالات کے بارے میں اپنا اظہار مفصل طریقے سے کیا۔ انھوں نے کہا کہ ایک طرف سیاسی عدم استحکام دوسری طرف آئی ایم ایف کا زور و شور اور تیسرا مہنگائی نے رہی سہی کسر پوری کر دی ہے اور حالات اس نہج پر پہنچ گئے ہیں کہ ان میں عنقریب کوئی بہتری آنے کی توقع نہیں۔

ڈاکٹر عطاء اللہ بزنجو نے نئے آنے والے دوستوں کو خوش آمدید کہا۔ سنگت کی سالانہ فیس کی ادائیگی کرنے والے ممبرز کا شکریہ ادا کیا اور باقی سنگت کے ممبرز جنھوں نے فیس نہیں دی انھیں فیس کی ادائیگی کی گزارش کی۔۔

اس کے ساتھ ہی خوبصورت اور بھرپور پوہ زانت کے اختتام کا اعلان ہوا اور سنگت گروپ فوٹو کے لیے کھڑے ہو گئے۔

بلوچستان سنڈے پارٹی

جمیل بزدار

بلوچستان سنڈے پارٹی 6 اگست 2023 بروز سنڈے پروفیشنل اکیڈمی کوئٹہ میں منعقد ہوئی۔ جس کی صدارت جاوید اختر نے کی۔ جاوید اختر نے کہا کہ حالات حاضرہ پر دوست بات کریں۔اس کے بعد آزاد جمالدینی نے کہ نوشکی میں تنظیم کی اشد ضرورت ہے وہاں کے نوجوان کوشش میں ہیں کہ انہیں پلیٹ فارم مہیا ہو۔تاکہ وہ اپنی ماہانہ اجلاس منعقد کرسکیں۔ہمیں یقین ہے کہ ہم وہاں پر بلوچستان سنڈے پارٹی کا اجلاس منعقد کریں گے۔ احمد مجتبیٰ نے جھٹ پٹ اور صحبت پور میں قائم تنظیم کو فعال کرنے کا عزم کیا۔

جئید جمالدینی نے کہا کہ عمران خان کو پاکستان میں الٹرنیٹ کے بطور پیش کیا گیا اور پنجاب میں بڑی تعداد میں عوام عمران خان کے حق میں ہے۔ جس کی وجہ سے اسٹیبلشمنٹ پریشان ہے اس کو مکمل بلیک آؤٹ کرنے کے باوجود بھی عوام میں اس کی پاپولیریٹی کم نہیں ہوئی کیونکہ عوام کے پاس کوئی الٹرنیٹ نہیں ہے۔

ڈاکٹر شاہ محمد مری کے مطابق عمران خان کے لیے اچھا خاصا بندوبست اسٹیبلشمنٹ کے پاس ہے بڑے بڑے کمٹڈ لوگوں کو سائیڈ پر دھکیل دیا ان کی بڑی بڑی پارٹیوں میں توڑ پھوڑ کی۔عمران کی پارٹی بنانے والے اس کو لیڈری دینے والے بھی یہی لوگ ہیں اور چھیننے والے بھی۔اور عمران عوام کا آدمی تو ہے نہیں وہ انہی کا آدمی ہے۔ ہم سمجھ رہے تھے کہ آئی ایم ایف کے قرضے بڑے مسائل ہیں جبکہ بیچ میں الیکشن کو دیر سے کرنے کے حربے سامنے آئے تاکہ الیکشن کو آٹھ دس ماہ تک روکا جائے۔ تاہم بلوچستان سنڈے پارٹی کے دوستوں کی طرف سے برزور مطالبہ ہونا چاہیے کہ الیکشن آئین کے مطابق صاف وشفاف ہوں اور اپنے وقت پر ہوں۔

اس کے بعد جئید جمالدینی نے کہا کہ دنیا میں رسورسز کی کمی ہورہی ہے انسانی آبادی میں بڑی تعداد میں اضافہ ہورہا ہے۔اور سائنس دان نئے سیاروں کی طرف دیکھ رہے ہیں جبکہ انفارمیشن ٹیکنالوجی میں بڑی تیزی سے ترقی ہورہی ہے۔

ڈاکٹر شاہ محمد مری نے کہا کہ سائنس انسان کا دوست ہے بشرطیکہ سائنس انسان دوست لوگوں کے ہاتھ میں آجائے۔ چونکہ وسائل پر سرمایہ دار طبقہ قابض ہے اس لیے وسائل کی منصفانہ تقسیم نہیں ہورہی۔

ان کے مطابق حالات بڑی سختی کی طرف جا رہے ہیں اور پاکستان میں وسائل بلوچستان میں ہیں اس لیے بلوچستان ہٹ لسٹ پر ہے یہاں پر وسائل کی بڑی لوٹ مار ہوگی اور سختیاں بھی یہاں کے لوگوں پر کی جائیں گی۔اس کا اور کوئی دوسرا حل ہے نہیں، اس کا واحد حل ایک سیاسی پارٹی کا ہونا لازم ہے۔اس پریشر کو ایک آدمی کبھی برداشت نہیں کرسکتا۔عوامی پارٹی ہی اس سخت ترین حالات کا مقابلہ کرے گا۔اگلے چھیماہ تک آپ کو ایک عوامی سیاسی پارٹی کی اشد ضرورت پڑے گی۔

اس لیے لوگوں کو منظّم کرنے، عوامی پارٹی بنانے، جلسیکر نے کی ضرورت ہے۔

بورژوا سیاسی پارٹیاں آپس میں لڑیں گی لیکن وہ ہمیشہ عوام دشمن رہیں گی اور اپنے طبقے کی مفاد کے لیے ایک ہیں۔عوام کبھی نہ تھکنے والی جنگ لڑے گی اور بورژوا سیاسی پارٹیوں کو ہارنے پر مجبور کریں گی وہی دن عوام کی حقیقی فتح کا دن ہوگا اور یہ حقیقت آشکار ہوکر رہے گی ہاں ہم سب اس میں اپنا کردار ادا کرکے اس عمل میں تیزی لا سکتے ہیں۔

آخر میں جمیل بزدار نے درج ذیل قراردادیں پڑھیں اور منظوری لی۔

1- بلوچستان سنڈے پارٹی سرداری نظام کے از سرنو بحالی کی کوششوں کی مزمت کرتا ہے

2- کوئٹہ ٹرمینل پر ہونے والے افسوس ناک واقع میں انسانوں کے جانوں کے زیاں پر دکھ کا اظہار کرتا ہے اور اس کی مذمت کرتا ہے۔

.3 تربت میں مذہبی شدت پسندی پر تشویش کا اظہار کرتا ہے اور تربت میں نوجوان طالب علم کے جان کی زیاں پر افسوس کا اظہار کرتا ہے۔

4- ہزارہ برادری پر ہونے والے حملوں کا شدید مزمت کرتا ہے۔

5- فیوڈل علاقہ جھل مگسی میں ہونے والے افسوس ناک واقع پر دکھ کا اظہار کرتا ہے امداد جویو کے قتل کی مذمت کرتا ہیاور ان کے خاندان کو انصاف فراہم کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

6- بلوچستان سنڈے پارٹی مطالبہ کرتی ہے کہ الیکشن آئین کے مطابق وقت پر ہوں اور صاف شفاف ہوں۔

آخر میں مشاعرہ سنا گیا جس میں آزاد جمالدینی نے اپنا بلوچی نظم پڑھی اور دوستوں سے داد وصول کی۔ اس کے ساتھ ہی بلوچستان سنڈے پارٹی کی ایک بھرپور نشست اختتام پذیر ہوئی۔

لاچاری

موپساں/ دانش داغ

اے دولاچاری ءِ کسّہ انت۔ یکّے ءَ وتی عادت پیلوکنگی ات ودومی ءَ وتی شُدءِ آس توسگی ات۔ چپ وچوٹیں کوہانی ندارگے تاں دُوراں روان ات۔ ریل ءِ دگ دریاوسیاہ و سنگوئیں کوہانی میان ءَ سہریں ریکانی سرءَ چیرگیتگگ ات۔ ریل انّی کمودیراں پیسر جنوآءَ چہ در اتکگ ات۔نوں پٹڑی سراچوآہن ءِ مارءَ شیپ گرگا ات۔ آچو گارءِ تہا پتروکیں دلوتے ءِ پیما کدی سُرنگ ءِ تہانا گہاں پترتگ وگار بوتگ اوپدا بچا کمو دیمترا دوبارہ زائر بوتگ ات۔ گاڑی ءِ آخری ڈبّہ ءِ تہا یک شررنگ وپڑّوریں ورنائیں جنکے نشتگ ات۔ آئی ءِ دیم پہ دیما یک سیٹے ءِ سرا یک ورنائیں بچکے نشتگ ات۔ آہر دوبے توارا اتنت بلئے گہے گہے یکّے دومی ءِ دیمگا چارگا اتنت۔ جنین ءِ عمر چو بیست وپنچ سال ءِ پیما ات۔ آکھڑکی ءِ نزیک ءَ نشتگ وڈنّ ءِ ندارگاں چاراں وتی بالادءَ وشنودکنگا ات۔ آچو انچائیں چلوپگ کاریں جنینے ءِ پیما جان ءَ پُرّ وپڑّور ات۔ آئی ءِ زنڈیں رژنائیں چم، پڑّوریں گور وپراہیں سینگ آئی ءِ جان سلامتی ءِ نشان اتنت۔آئی ءِ سیٹ ءِ چیرابازیں پارسلے ایرات و آئی ءِ کُٹّ ءَ یک ٹوکری یے ایرات۔

ورنائیں بچک چو بیست سالیگیں مردے ءِ پیمات۔آچولاگرو گرم وجلانی سرا کارکنوکیں مردانی وڑا روچ سوتکیں مردے ات۔ آئی ءِ سیاہ تاپیں رنگ اے گواہی ءَ دیگ ات کہ آماں جلانی سرا کارکنگ ءَ عادت انت۔ آئی ءِ کش ءَ یک مٹکا یے ایرات۔ آئی ءِ سرجمیں مال ومڈّی ہمیش ات۔ مٹکاءِ تہا بیدء یک جوڑی یے گُد، سواس ویک جیکٹے ءَ دگہ ہچ نیست ات۔آئی ءَ وتی بردوٹیکم ہردو یک سادی ٹکّرے ءَ بستگ اتنتو وتی سیٹ ءِ چیراایرکتگ اتنت۔ بگندئے آپہ کارءِ شوہازءَ روگات۔مئی ءِ ماہ ءِ آخری روچ اتنت۔روچ ماں دریاءِ لمب ءَ گشئے آچ پر ریچگا ات۔ ریل ءِ پچیں کھڑکیاں چہ وش وسارتیں بو آہگا ات۔ مالٹاءِ نیوگ زیپناکیں پُلّاں چہ لڈّتگ اتنت۔ آہانی وشبو گوں جنگل ءِ گلابانی وشبواں ہوار بوہگ ءَ پد یک اجبیں وشبو یے آتارگ ءَ اتنت۔ اے ہندا گلاب سک بازات۔ ہر دیمگا بچار بس گلاب اتنت۔ گلاب ءِ میزرانیں وشبوہاں دائم گوات ءَ راگوں وشبواں سرریچ کتگ ات۔اے مست کنوکیں وشبوءِ سوب ءَ ہرکسی تب ءَ دائم یک کیف وچاڑے مان ات۔

ریل۔۔۔۔۔۔ سکاّں آہستک روگ ات۔انچو گشئے زاناں آ اوں اے ابرم ءِ باگ ءِ تہا آہستک آہستک ءَ گشت کنگ ءَ ات۔ ریل ءَ لہتیں کسان کسان واسپیتکیں لوگانی گورءِ اسٹیشنانی سرا بار بارا داشتگ ات وپدا لہتیں سہت ءَ پد زورداریں سیٹی یے ءِ توارکتگ ات وریل ءَ پداروگ بندات کتگ ات۔ آوہداں ہچ مساپر ریلا سوار بوہگا نہ ات۔ انچش گمان بوہگا ات کہ گشئے زاناں سرجمیں دگنیا گِڈّگ ءَ ات وہژّام ءِ اے گرمیں سہب ءَ کس پہ سپرکنگا ساجونہ ات۔

جنین ءَ سہت پہ سہت ءَ وتی چم بندکتگ اتنت بلئے وہدیکہ ہر وہدا آئی ءَ مارت کہ آئی ءِ کُٹّ ءِ سُنُدک شتریت وکپیت تہ آئی ءَ ناگہاں وتی چماناں پچ کتگ ات و سُندک گوں زوراں داشتگ ات وپدا لہتیں سہت ءَ ڈنّ ءَ چارتگ ات ئِے وپداکوچنڈگ ءَ بوتگ ات۔ آئی ءِ پیشانی ءِ سرا ہیدءِ ترمپ تچگ ءَ اتنت وآ گوں نلگیگی ءَ ساہ کشگّ ءَ ات انچو گشئے زاناں آدم توس بوہگات۔

ورنائیں بچکا وتی زنوک سین ءِ سراتکہ داتگ ات وچومنّت کشّیں دہکانانی پیماوش واب ات۔

ریل چہ اسٹیشنے ءَ در اتک و ناگہاں جنین واب ءَ چہ جہہ سراِت وسُندک ءَ چہ یک ڈبل روٹی یے، لہتیں لہڈ داتگیں ہیک وتازہ ایں میمیچ وتُرندآپ کش ات ئِے وورگ ءَ بوت۔ ورنائیں بچک اوں پاداتگگ ات۔آجنین ءَ را ورگ ءَ چارگا ات آئی ءِ چم جنین ءِ دست ءَ بگرداں دپ ءَ ہرلنکہ ءَ سک اتنت۔آئی ءِ گُل تہاشتگ اتنت، آئی ءَ وتی ہردودست سینگ ءِ سرابستگ اتنت ووتی لنٹاں مچگا ات۔آذال ءَ را کدی کدی نیم چمی ءَ چارگ ءَ ات اوکدی کدی آدوئینانی چماں ڈکّ وارتگ ات تہ آسٹ اِتگ ات ووتی دیم ئِے آدیما کتگ ات۔

جنین ءَ ہرلنکہ ءِ ورگا پد گٹّے تُرندآپ نوش جان کتگ ات وپہ ساہ کشّگا کمو دست ئِے داشتگ ات، ہمے ہساب ءَ کمودیراں پد ہرچیز چہ نگاہاں گاربوتگ ات، ہیک، ڈبل روٹی، میمچ، تُرندآپ ہچ نہ بچّ اِتگ ات۔جنین ءِ نانانی ورگ و ہلاس کنگا گوں ورنائیں بچک ءَ وتی چم بندکت انت۔

جنینءِ کمو نلگیکی مارت وآئیءِ وتی دست پُشتءِ بُرت ووتی مُرّیں سین پوشءِ ٹاسین تچ کت ہمے سہتءِ ورناءِ اوں وتی چم پچ کت انت وآئیءِ دیم گا چارت۔

جنینءِ آ ورناءِ نگاہانی تچ پرواہ نہ داشت وبے تواریءَ گوں وتی جیگ بندءِ بٹناں پچ کنگءَ بوت چیا کہ آئیءِ سینگءِ سرءِ رُسگیں کوہانی سوبءَ آئیءِ جانگ پُشتی نیمگا سک تُرند بوتگ ات۔آئیءَ انچو کہ بُرزی دو بٹن پچ کت آئیءِ دیمءِ سرا تاہیرءِ رژنے تالان بوت۔ وہدیکہ آ پُر تاہیر بوت تہ ناگہاں آئیءَ گوں ورناءَ ماں اطالوی زبانءَ گشت "چوں گرم انت کہ نفس پُر نہ بیت"۔ ورناءَ ماں ہمے زبانءَ گوں ہمے گالوارءَ پسّہ دات "ہو۔۔۔اے پیمیں موسمءَ کجا سیر کنگ بیت ایں"۔

چے تو پائیٹ مونٹءِ جاہ مندے ئے؟ جنینءَ جست کت۔ اھو من آستیءَ چہ پیداکوں۔منی سیادی گوں کسالیءَ انت،جنینءَ گشت۔آ ہردو ہمساہیگیں کوچگانی جاہ مند انت۔ آہاں وت ماں وتءَ گپ کنگ بنا کتگ ات ومدامی ایں وڑا ہما انچائیں گپّاں لیس وپلّیس کنگءَ انت کہ ہمے پیمیں ہبرانے وڑیں مردمانی عادت ات۔ آیاں وتی لوگ و سیادو آزیزانی بارواہبر کنگ بنا کت تہ سرپد بوتاں کہ آیکّے دومیءِ بازیں پجّاروکیں مردماں زان انت۔آنوک نوکیں نام گرگءِ بوتنت وپجّاروکیں مردمانی نام آیانی میانءَ نزیکی آرگاات۔آیاں وتی ہبرءِ کنگ پدا بنا کت۔

آ ذال سُور کتگیں ذالے ات۔آئیءِ سہہ چک اتنت۔آئیءَ زہگاناں وتی گوہارءِ گورا ایر کتگ ات او اتو فرانسءِ یک ازگاریں گسےءَ پہ کارءِ کنگءَ روگءَ ات۔ اوداے زالءِ کارا لوگءِ بی بیءِ تنکءَ را شیرءِ مچینگ ات۔ آ ورنا اوں پہ کارءِ شوہازءَ در اتکگ ات۔آیا را گشگ بوتگ ات کہ مارسیلزءَ کارو روزگار رسگءِ اُمیت باز انت۔چیا کہ اودا بان وماڑی بندگءِ بازیں کارے بوہگا انت۔

اے گپ و رپاں پدا آ ہر دوئیں بے توار بوتاں۔گرمی نوں سگّءَ چہ ڈن بوہگا ات۔گواتءِ ہمراہیءَ دنز ومنز اوں چست بوہگا اتنت۔گلاب ومالٹاءِ بواوں تیز بوتگ ات۔ دوئیں مساپر یکبرے پدا وابءِ وادیانی تہا گار بوت انت۔ ہمے میانءَ ورناءِ چم کمو پچ بوتنت تہ آئیا وتی دیما نشتگیں جنینءِ نیمگا چارت۔جنینءِ چم پُچ اتنت او آئیءِ دیمءِ سرا نلگیکی تالان ات۔ورنا تاں دیراں آئیا چارگا ات۔پدا آئیا وتی چم بند کت انت وناگہاں پدا ہردوکانی چم یکپارگی پچ بوت انت وآیکّے دومیءَ چارگا بوت انت۔ روچ دریاءِ نیمگا روان ات و دریاءِ نیلگیں آپ اہتک اہتک بوہگا ات۔گواتءِ تہا کموکیں سارتی یے وڈی بوتگ ات۔

ورناءَ مارت کہ جنینءِ چم بے کرار بوتگ انت وآئیءِ دیم تپتنگ ات انچش گشئے زاناں آئیا را ساہءِ کشگءَ تکلیف بوہگا ات۔ آئیءِ جیگ نوں سرجمیءَ پچ ات او آئیءِ نگاہانی تہا اجب واہگی یے سہرا بوہگا ات۔منءَ زیکین انت کہ من کسےءَ را شیر نہ مچینتگ۔جنینءَ سُک سُکا گوں گشت۔انچو گمان بوہگا انت کہ من بے ہوش باں۔۔

ورنا بے توار ات،آئیءِ فہم تچ کا رانہ ات کہ آئیا چے پسّہ بدنت۔جنینءَ گشت کہ ہر وہدءَ کہ یک جنینے چو منی وڑا شیراپُر بہ بیت تہ پہ آئیا روچے کمءَ چہ کم سہہ برگا شیر مچینگ ہژدری انت اگاں ناں تہ آ اجب دم توس بوہگ ماریتیں۔ منی دلءِ سرا پورا بلائیں بوجے ایر انت۔۔شیرءِ بازی اوں ازاب کنت۔

جی۔۔۔جی ہو۔۔۔راست گش ئے تو۔۔۔تو الّما سک نلگیگ بوہگا ئے؟ ورناءَ گشت۔

جنینءِ دیم زرد بوہگا ات او آئیءِ سرجمیں بدن چہ ہیداں چہ میچل بوتگ ات۔آ الّما بے ہوش بوہگی ات۔منا بس لنگاکانی سرا زور پر دیگی انت۔جنین چو سُک سُکیءِ پیا جیڑگءَ بوت۔ پدا گشئے زاناں شیرءِ چمّگے پچ بیت ایں۔گندگءَ اے چیز اجب لگّیت بلئے اے ہبر دروگے نہ انت تو باور نہ کنئے کہ کسالیءَ مئے بازیں ہمساہگے پہ منی چارگءَ پچ بوتگ ات۔

انچو گش ئے ہاں۔۔۔۔؟

ہو۔۔۔۔۔۔راست گشیں۔۔۔من تراانوں پہ شداشت کت کنیں بلئے چو کنگءَ گوں منا تچ تاہیر نہ رسیت پر چا کہ لنگاکانی زور پر دیگءَ گوں اینکس شیر در نئیت ایں کہ منی دلءِ سرءِ بوج کم بہ بیتیں۔۔جنین بے توار بوت۔

ریل اسٹیشنءِ سرا کمو اوشتات۔ پلیٹ فارمءِ سرا ماں اگڈیاں پتاتگیں پوشاکاں گوں یک سکّیں کمزورو ناتوانیں جنینےءَ وتی چک بڈّءَ ات۔گونڈو گریگوگءَ ات۔جنینءَ آسرءَ کش ات وگشت۔من اے جنینءِ کمکءَ کت کنیں او آ گونڈو منی کمکءَ کت کنت۔

تو وا اے اندازگ الّما جتگ کہ من یک ازگاریں ذالے نہ اوں۔من وتی لوگ وکسان کسانکیں زہگاناں یل داتگ کہ کموزر بکمائینیں بلئے گندئے اگاں منا اے گونڈوءِ شیرءِ مچینگءِ اجازت دیگ بہ بیت ایں تہ من اشیءِ ماتارا پنچ فرانک دیگا ساجو اوں۔۔اے رنگا اے گونڈوءِ گژن ہلاس بیت او من اوں آرامءِ دل باں۔منا نوکیں زندمانے سپتیں۔

آ پدا بیتوار بوت۔آئیا وتی گرمیں دست بازرنداں وتی پیشانیءَ لتارت۔آئیءِ پیشانی چہ ہیداں میچل

ات۔ آئیا نارگ ءَ گوں گشت۔۔۔ نوں۔۔ نوں من سگّ ات کت نہ کنیں۔منا انچوگمان بوہگا انت کہ من دم توس بیں مریں۔ جنین ءَ بے سماہی ءَ گوں وتی جاگہ درت۔ ورناءِ چم دراتک انت۔آ ذال ءِ سینگ سک پڑّ ور ات۔ جنین ءِ نارگ وڈّان اتنت۔ آہ۔۔۔ ابّو۔۔۔ آہ۔۔اُف۔۔۔ نوں من چے بکنیں۔۔۔

ریل یکبرے پدا روگا بوت۔تیزیں گواتانی ہمراہی ءَ یکبرے پدا وشبوہانی درذٔے آہگا بوت۔ ریل یک پُلّے ءِ سرا گوزگ ءَ ات۔کدی کدی دریاءِ تہا کسان کسانیں کٹّی یے گندگ بوتگ ات۔ بلئے انچش گشئے زاناں اوشتاتگیں دریاءِ تہا واب ات۔ورناءَ تُرسان وکموئے لہج کنان ءَ گوں جُست کت۔۔۔

مادام! من بگندئے کموتئ کمک ءَ کرت بکنیں۔۔۔۔؟

جنین ءَ گوں۔۔۔ ناتوانیں توارے ءَ پسّہ دات۔۔۔۔ ''ہو"۔۔۔ اگاں تو بلوٹ ئے تئ منّت وار باں۔۔۔ نوں من ہچ سگّت کت نہ کنیں۔۔۔

ورنا کونڈانی سرا نشت۔۔جنین ءَ کہ وہدے دوئیں دستاں گوں وتی گور (گودان) گپت ودیما بُرت تہ شیرءِ یک ترمپے دراتگگ ات تہ ورناءَ اشتاپیءَ گوں آ چٹ ات وپدا اشتاپیءَ گوں شیرءِ مچگ ءَ بوت۔

آئی ءَ وتی ہردو دست جنین ءِ سین ءَ سک کتگ اتنت و آہستک آہستک ءَ شیر مچگ ءَ ات۔

کمو دیراں پد جنین ءَ ناگہاں گشت۔

"اے دیما نوں بس کاں آ دیما مچ"

ورناءَ گوں مزنیں تابعداری ءَ دومی دیما دپ سک کُت۔جنین ءَ بے ہیالی ءَ گوں ہردو دست ورناءِ بڈّ ءَ سک کت انت وتا ہیر گرگ ءِ گوما ساہ کشگ ءَ بوت۔نوں آ مالٹاہانی بوہاں چہ مزگ گرگ ات۔ "چاگرد چینکس زیبدار انت" آئیا گشت۔ ورناءَ ہچ پسّہ نہ دات۔آ چوکرنی ایں ٹُنیگ ءَ چہ اے ہُداءِ داتگیں چمّگ ءَ چہ وتی تُنّ ءَ پروشگ ءَ ات۔آئیا انگت گیشتر پہ وتی بالادءِ وشنودکنگ ءَ وتی ہردو چم بند کت انت۔ بلئے جنین ءَ آئیارا کمو پشت ءَ تیلانک دیان ءَ گشت۔۔۔ "بس کاں نوں امینچک بس انت۔نوں منا تا ہیر رستگ،تو منا نوکیں زندے داتگ"

ورنا چہ آستونکاں گوں وتی دپ ءَ پاک کنان ءَ پاداتک۔جنین وتی سینگ ءَ پردیان ءَ گشگ ءَ بوت۔

"تئ لکھ منّت واجہ۔۔۔۔۔ من چہ تئ نیکیاں ہچبر درنیائیں۔۔۔"

ورناءَ گوں گریواسکی توارے ءَ گشت۔۔۔

'' منّت وار من تئ باں۔۔۔۔ بانک۔۔۔ کہ من ءَ چہ گوسگیں دوروچاں اسپیت تام حرام انتِ"۔

طبقاتی شعور رکھنے والے مزدور کو اینگلز کی تصنیفات ''لوڈویگ فائرباخ'' اور ''فاطع ڈیورنگ'' اپنے پاس ہر وقت رکھنا چاہیے۔

مارکسزم نے ہمیں سکھایا کہ گہرے رسم و رواج سیاسی سازشوں، پیچیدہ قوانین اور الجھے ہوئے نظریات کے ڈھیر میں سے طبقاتی جدوجہد کو کس طرح شناخت کریں، وہ جدوجہد جو گونا گوں صاحب ملکیت طبقات اور بے ملکیت عوام الناس، پرولتاریہ کے درمیان ہو رہی ہے جو بے ملکیت عوام الناس کا ہر اول ہے۔اس نے انقلابی کمیونسٹ کا یہ حقیقی فریضہ واضح کیا: سماج کو از سر نو مرتب کرنے کے منصوبے نہ بنائے جائیں، سرمایہ داروں اور ان کے حاشیہ برداروں کو یہ وعظ نہ دیا جائے کہ وہ مزدوروں کی حالت کو بہتر کریں، سازشیں منظّم نہ کی جائیں بلکہ پرولتاریہ طبقاتی جدوجہد منظّم کی جائے اور اس جدوجہد کی رہنمائی کی جائے جس کا آخری مقصد یہ ہے کہ پرولتاریہ سیاسی اقتدار حاصل کرے اور اشترا کی معاشرہ منظّم کیا جائے۔لینن

ٹالسٹائی کے نظریات یقینی یوٹوپیائی ہیں اور ان کا مافیہہ رجعت پرست ہے، اس لفظ کے بالکل صحیح اور گہرے معنوں میں۔لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ یہ تعلیمات اشترا کی نہیں ہیں۔

نئی زبان

راشد جاوید احمد

یہ ایک ایسی بستی تھی جہاں کے رہنے والوں میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کی زبان نہیں بولتا تھا۔کوئی بھی فرد کسی بھی چیز کے لئے یکساں الفاظ استعمال نہیں کرتا تھا لیکن پھر بھی سب ایک دوسرے کی بات کا مطلب سمجھتے تھے اور امن و آشتی سے رہتے تھے۔ کچھ دیر پہلے تک تو وہاں کے مقامی،خوش باش اور مرنجاں مرنج تھے اور مبالغہ آرائی نہ کروں تو بہت باتونی بھی۔ زمین کے ایک بے نام سے خطے میں یہ ایک بے نام سی بستی تھی۔ اگرچہ اسکی چنداں ضرورت نہیں تھی پھر بھی دنیا کے نقشے پر اسے ایک سیاہ دھبے سے ظاہر کیا گیا تھا۔شاید اسی سبب سے اس کا کوئی نام نہیں تھا۔

جب بیرونی دنیا کو اس بستی کا علم ہوا اور نواردوں نے اس پر قدم رکھا تو ان کے بہترین زبان دان بھی اس بستی کے لسانی معاملات کی کوئی تشریح نہ کر پائے۔ مقامی لوگوں کی زبان تو بالکل بھی ان کے پلے نہ پڑی، حالانکہ وہ سب اپنی اپنی زبان میں الگ الگ لفظ ادا کر کے ایک دوسرے کو اپنا مافی الضمیر سمجھا بھی رہے تھے اور سمجھ بھی رہے تھے اور کبھی کسی نے کسی کی کہی ہوئی بات کا کبھی کوئی دوسرا مطلب بھی نہیں لیا تھا اور نہ ہی کوئی بات ذو معنی سمجھی جاتی تھی۔

نو واردوں کے لئے تو یہ ایک بہت بڑا مسئلہ تھا اور انہوں نے اس کی کئی سیاسی اور جغرافیائی توضیحات اخذ کیں۔ یہ بستی طویل عرصے سے موجود تھی اور دنیا کے چند اہم ملکوں کے بیچ گھری تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تاریخ کا پہیہ ان تمام ملکوں میں گھومتا رہا، کہیں لمبے عرصے کے لئے، کہیں تھوڑی مدت کے لئے اور کہیں ایک سے زیادہ بار۔ قدیم اور نوزائدہ ملکوں کے درمیان تضادات کی ایک نہ ختم ہونے والی فہرست تھی۔ صدیوں پر محیط، چھوٹے ملک، بڑے ملک، بہت بڑے ملک، طاقتور اور کمزور ریاستیں، نشو ونما پاتی سیاستیں اور مرتی ہوئی سیاستیں۔ بادشاہتیں، سپر پاورز، طویل اقتدار کی حامل حکومتیں، جمہوریتیں اور آزاد ریاستیں، مذہبی اور غیر مذہبی ریاستیں، سب قدیم سے اب تک بنتی بگڑتی موجود تھیں۔

اٹلس کے رموز سے آشنا ایک تاریخ دان نے پر زور لیکن بے سود کوشش کی کہ وہ اس بستی کی اندرونی جغرافیائی حدود کا کوئی نقشہ تیار کر سکے۔ برسوں کی ریاضت کے بعد جو نقشہ وہ بنا پایا وہ با لکل ایسا تھا جیسے ململ کے کرتے پر کسی نو آموخت نے کڑھائی کرنے کی مشق کی ہو۔ ہاں اس کی بیوی نے اس ڈیزائن میں تھوڑی سی ردو بدل کر کے اپنا لباس شب خوابی ضرور بنوالیا۔

بستی میں، زرخیز زمین، معدنیات، بہتے دریا، سمندر اور بلند و بالا پہاڑ اور محنت کش افراد وافر تعداد میں تھے اور وہ صدیوں سے، ہر قسم کی طرز حکومت کا نہ صرف تجربہ رکھتے تھے بلکہ انکی باریکیوں سے بھی واقف تھے۔ انہیں بخوبی علم تھا کہ ڈکٹیٹرشپ کیا ہوتی ہے، مطلق العنانیت کیا ہے، صوابدیدی اختیارات کیا ہیں، جمہوریت کیسی ہوتی ہے اور انتشار کس بلا کا نام ہے۔ ہر سیاسی ہل چل یعنی جبر، آزادی، احتجاج اور بغاوت کے اسباب انکے سامنے عیاں رہے تھے اور یہی دیکھ کر وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ ہر فرد کی اپنی زبان ہونی چاہئے تا کہ کوئی غیر مقامی اس کا ادراک نہ کر پائے۔ بالفاظ دیگر یہ ان کا ایک نفسیاتی ڈیفنس میکانزم تھا۔ ہر ایک فرد کی اپنی زبان، مادری زبان سے بھی زیادہ فہم رکھنے والی، ایسی زبان جس میں وہ سوچتا ہے۔ ایسی زبان کون فتح کر سکے گا۔اس فیصلے میں شاید کوئی عقلی توجیح تو بظاہر نظر نہیں آتی تھی، شاید کوئی وجہ اور ہو یا شاید کچھ بھی نہ ہو، مقامی بھی نہیں جانتے تھے بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ وہ جاننا چاہتے ہی نہ تھے۔ تاہم ہر نومولود اس اپنی زبان کو بغیر کسی تردد کے اتنی ہی آسانی سے سیکھ رہا تھا جس آسانی سے دنیا کے دوسرے بچے اپنی زبانیں یا اردگرد سے کان میں پڑنے والی زبانیں سیکھتے ہیں۔ بچے محسوس کر رہے تھے کہ ان کی ماں کی زبان اور ہے، باپ کی اور، دادا کی اور، دادی کی اور، بہن بھائی، نانا نانی، ہر ایک کی الگ اور اسی میں سے ہر بچہ اپنی الگ محاوراتی زبان سیکھ رہا تھا۔حتی کہ بے بی سٹرز کا گھر میں آنا اور خدا حافظ کہنا بھی الگ الگ تھا لیکن وہ سب سمجھ پاتے تھے۔ زبان کے اس گورکھ دھندے میں ہر بچے نے اپنی الگ زبان بولنا سیکھ لیا اور ہر بچے کو ادراک تھا کہ اسکی زبان دوسرے سے مختلف ہے۔ ان بولے جانے والے لفظوں کے معانی کو لفاظی کی کسی کتاب میں یا "بائی دی بک" فارمولے سے تلاش کرنا بے سود تھا لیکن بولنے والے، چہرے کے تاثرات، آوازوں کے زیر وبم اور اشاروں کی مدد سے ہر بولا ہوا لفظ اور کہی ہوئی بات آسانی سے سمجھ لیتے تھے۔ خطیب کو پورا پورا ادراک تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور مخاطب اسکے ایک ایک لفظ کو اکمل طور پر سمجھ لیتا تھا بغیر کسی تردد کے۔ بادی النظر میں تو ایسے لوگوں کو ایک دوسرے سے فاصلے پر ہونا چاہیے تھا لیکن زبان کی اس مشق نے انہیں خود کو اور دوسروں کو گہرائی سے سمجھنے کی صلاحیت عطا کی۔شاید اس مافوق ادراک زبان نے انہیں ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھنے میں مہمیز کا کام کیا۔

ان کے ہاں ادب کی کوئی کتابیں نہیں تھیں اور نہ ہی لغاتیں کہ انکے بولے لفظ لکھے یا محفوظ کئے جا سکتے۔ وہ چٹے ان پڑھ تھے پھر بھی ان کے پاس کہانیوں، نظموں اور ڈراموں کی کمی نہ تھی۔ وہ ان

کے بغیر رہ ہی نہیں سکتے تھے۔تخلیق فن کے دلدادہ تھے وہ لوگ لیکن ان کے اس فن کی اشاعت، زبانی، جسمانی یا عملی طور پر ہی ہوتی تھی۔شاعری کی ،ڈکشن کی اور افسانے کی معنویات صرف شاعر ہی جانتا تھا تاہم زبانی اداکاری، رویے، اظہارفن کے طریقے اور اسلوب مکمل طور پر بامعنی تھے۔لوگوں کے کان، شاعروں کی زبان سے نہ صرف ہم آہنگ تھے بلکہ وہ ان کی شاعری جو شاعر کی اپنی زبان میں ہوتی تھی مزے سے گنگنا بھی لیا کرتے تھے۔

اور یوں اس بستی کے لوگ ہنسی خوشی پچھلی صدی تک زندگی بسر کرتے رہے۔ وہ نہ صرف محنتی تھے بلکہ اپنے ذرائع کو مناسب معاشی طریقوں سے استعمال کرنے پر بھی قادر تھے۔کھیتی باڑی ان کا سب سے بڑا ذریعہ آمدنی تھا اور وہ اس میں کسی حد تک خود کفیل بھی تھے۔کچھ سپر پاورز انکی ہمسایہ تھیں جنکے مختلف اقدامات آزادی اور جمہوریت کے مفادات کے خلاف تھے اسلئے اس گذشتہ صدی میں وہ فکرمند بھی رہے۔ حالانکہ خود ان کے کسی اقدام سے کسی قریبی ریاست کو کوئی مسئلہ نہیں ہوا تھا کہ وہ اپنے کام میں مگن رہنے کے عادی تھے۔بین الاقوامی حالات سے ان کی کم واقفیت کی شاید یہ بھی ایک وجہ رہی ہوگی۔

سپر پاورز نے اس سب کے باوجود ان کی بولی پر کچھ زیادہ غور نہیں کیا تھا۔ جو لوگ وہاں سیر سپاٹے کے لئے آتے یا دوسرے ملکوں کے ایجنٹ کسی بھی روپ میں اس بستی کی یاترا کرتے، بستی والوں کی بولی کے گورکھ دھندے میں الجھ کر یہی سمجھتے کہ یہ محنتی اور جفاکش خوبصورت لوگ سب ناخواندہ ہیں۔یہ بات یقیناً سپر پاور کے نظریئے سے مطابقت نہیں رکھتی تھی جہاں شہریوں کی تعلیم کو بہت اہمیت دی جاتی تھی۔۔سپر پاورز کے ہاں تعلیم و زبان کی ترویج کے لئے جو نظام رائج تھا، یہاں حالات اس سے با لکل مختلف تھے۔ان میں سے کچھ نے کوشش کی کہ اس راز تک پہنچا جائے لیکن ان کو بستی میں ایک بھی ایسا فرد نہ ملا جو وہاں بولی جانے والی الگ الگ زبانوں کا ماہر ہو۔بستی کے طول وعرض کا چکر لگانے کے بعد بھی بولی جانے والی بولیوں کا ایک لفظ بھی ان غیر ملکیوں کے پلے نہ پڑا تو انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ ساری بستی میں ایک ہی بولی بولی جاتی ہے

لوگ اچھی زندگی گزار رہے تھے۔رات کے وقت وہ کافی اور چائے کی دکانوں پر بیٹھ کر گپ شپ کرتے۔ ہر ایک اپنی زبان میں۔۔کوئی نوجوان کسی لڑکی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پیار بھرے لہجے میں اپنی بولی میں "مجھے تم سے محبت ہے" کہتا تو وہ لڑکی مفہوم سمجھنے میں ذرہ بھر بھی غلطی نہ کرتی اور اپنی بولی میں مناسب جواب بھی دیتی اور اس کے چہرے کے تاثرات میں کسی بھی قسم کی غلط فہمی نہ پائی جاتی۔

اس دوران بستی کے ارد گرد کافی جغرافیائی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ سپر پاور کئی حصوں میں بٹ گئی۔ نئے سیاسی گروپ معرض وجود میں آئے اور ایک نیا ورلڈ آرڈر ترتیب دیا گیا۔کئی ملکوں کی جغرافیائی حدود تبدیل ہو گیئں اور کئی پرانی حد شماریاں ماضی سے نکل کر سامنے آ گیئں۔بستی جو پہلے ہی دنیا سے الگ تھلگ تھی اب ایک مختلف طریقے سے الگ تھلگ سی نظر آنے لگی۔ سیاسی تبدیلیوں کے ساتھ ہی دنیا میں انفرمیشن ٹیکنالوجی کا ایک زبردست انقلاب آیا۔اسی اثنا میں ایک ماہر لسانیات اس بستی میں آن وارد ہوا۔بستی میں انٹرنیٹ کی تلاش میں پھرتا پھراتا وہ چائے خانے تک جا پہنچا۔ بھانت بھانت کی عجیب وغریب بولیوں نے اسے ہلا کے رکھ دیا اور اس نے ان پر تحقیق کا فیصلہ کیا۔کچھ دنوں بعد، مختلف زبانیں اور بولیاں اور بولنے والوں کی ان کو سمجھنے کی صلاحیت جان کر اسے محسوس ہوا کہ کام نہ صرف مشکل ہے بلکہ کسی حد تک ناممکن بھی۔اپنے علم، صلاحیت اور تحقیق کے گزشتہ کامیاب کارناموں پر سے اس کا اعتماد متزلزل ہونے لگا۔ وہ نئے ورلڈ آرڈر کا نمایندہ تھا اس لئے ہار ماننا تو اسکی سرشت میں نہیں تھا۔اس نے بستی کے لوگوں کو قابل رحم سمجھ کر ان کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے سوچا کہ اس جاہل بستی کے لوگوں کو جدید زمانے سے متعارف کرانے کی اشد ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لئے نئی دنیا کے کئی ممالک نے اسے مناسب گرانٹ بھی مہیا کی اور اس نے بستی میں بولی جانے والی تمام زبانوں کے فقرات کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور پھر کمپیوٹر کے حوالے کر دیا۔اس کمپیوٹر پروگرام نے بستی کے ہر فرد کا بولا ہوا لفظ اور فقرہ بڑی تندہی سے ترجمہ کر دیا۔اب ایک لکھی ہوئی زبان معرض وجود میں آ چکی تھی یا یوں کہنا مناسب ہوگا کہ ورڈ پراسسڈ زبان اس بستی میں متعارف ہو گئی تھی۔ ماہر لسانیات نے اس زبان کی تعلیم وترویج کے لئے بستی میں لیپ ٹاپ بھی بانٹے۔

بستی کے لوگ حیران تھے۔ "مجھے تم سے محبت ہے" کا وہ ترجمہ نہیں ہوا تھا جو اس بستی کے نوجوان سمجھتے تھے اور "ہاں میں بھی تم سے پیار کرتی ہوں" کی جگہ لینے والا پراسس کیا گیا فقرہ، لڑکیوں کی سمجھ سے بالاتر تھا۔اسی طرح، لوگوں کے درمیان برسوں سے بولے جانے ولے فقرے، جن کو جسمانی تاثرات زیادہ واضح کرتے تھے، بستی کے لوگوں کے لئے اس قدر اجنبی تھے کہ ان کے آپس کے تعلقات کشیدہ کشیدہ سے ہونے لگے اور وہ جو ہر ایک کی الگ الگ بولی سمجھ لیتے تھے، ایک دوسرے سے کٹ گئے۔ بستی کے لوگ اس مصیبت کا باعث ماہر لسانیات کو سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ وہ ہی ان کو اس مصیبت سے نجات دلا سکتا ہے چنانچہ اسے بستی کا میئر بنا لیا گیا اور اس نے بستی کی تمام زبانوں اور دیرینہ علم کو اپنے قبضے میں کر لیا۔اس نے بستی کے بہت سے لوگوں کو اپنا گرویدہ کر لیا اور ان کی وساطت سے علم ہوا کہ وہ شخص صرف ماہر لسانیات ہی نہیں بلکہ عالمی بنک کا ایک ڈائریکٹر بھی تھا۔ کچھ برس کی محنت شاقہ کے بعد بستی کا میئر اس بستی کے لوگوں کو ایک بولی سکھانے میں کامیاب ہو گیا۔اب وہ لوگ ہر بات کے جواب میں ایک ہی بات بولتے تھے، کتنے میں دو گے، کتنے میں خریدو گے، تم مجھ سے محبت کرتی ہو لیکن اس میں میرا کیا فائدہ ہے۔

چنکے ناہ

الطیب صالح/چندن ساچ

آ روچاں من کسان اتاں۔ مناچش یات نہ انت کہ آوہدا منی عمر چنت سال ات بلے ہمنچو یات انت کہ آوہدا مناں مردماں پیرک ئے ہمراہی ءَ کہ دیست گڑا آیاں منی سرءَ دست ایر مرز اِت اوگُب چِک اِتنت۔ بلے آیاں منی پیرک ئے ِسرا نئیکہ دست ایرمرز اتگ ات اونئیکہ آئی ئے گُب چِک اتگ اتنت۔

حیرانی ءِ گپ ایش ات کہ من گوں وتی کماشا ہچبر ڈن وددرءَ نہ شتگ اتاں بلے پیرک ہر جاہے کہ شتگ ات آئی ءَ مناگوں وت برتگ ات۔ ایوکا سہبانی سرا آئی ءَ من ءَ وتی ہمراہ نہ کتگ ات پرچا کہ سہبانی سرا من قرآن ءِ وانگ ءَ مسیت ءَ شتگ اتاں۔ مسیت، جوءُ ڈگار۔۔۔۔ ہمیش ات مئے دنیا۔۔۔ منی گیشتریں ہمسراں مسیت ءَ رؤگ اوقرآن وانگ وش نہ بوتگ ات۔ بلے من ءَ مسیت ءِ رؤگ باز وش بوتگ ات۔ ایشی ءِ سبب ایش ات کہ من قرآن ءِ حفظ کنگ ءَ تیز اتاں او ہر وہدے کہ مہمانے اتکگ ات گڑا مولوی ءَ من ءَ پاد کتگ ات او سورہ الرحمٰن ءِ وانگ ءَ پرماتگ ات۔ پدا مہماناں منی سرءِ سرا دست سارا تگ اومنی گُب اش چِک اتگ اتنت۔ ہما وڑا کہ پیرک ءِ ہمراہی ءَ آدگہ مردماں من ءَ دیستگ ات او کتگ ات۔ ہو من ءَ مسیت و جوہ ءَ رؤگ باز وش بوتگ ات۔

وہدے ماشیر گرم ءَ وانگ ہلاس کتگ ات اولوگا اتکگ اتیں گڑا من وتی دار ءِ تختی یک نیمگے چگل داتگ ات اوتچانی ءَ مات ءِ گوراشتگ اتاں۔ نہاری کتگ ات اوزوزوت ءَ پداجوءَ شتگ اتاں جان ئے شودگ ءَ۔ من وہدے اوژناہ کنگ ءَ کہ دم برتگ ات گڑا ڈن ءَ نشتگ ات اوندارہ چار اِتگ ات۔ جوءِ آپ رودراتکی ءَ شتگ ات او چِش ءِ درچکانی تہا گار بوتگ ات۔ اے ندارگ ءَ من ءَ تاہیر بخش اتگ ات۔ ہمدا من وتی حیالانی دنیا ءِ شتگ اتاں او اے حیال کتگ ات کہ ہے چِش ءِ درچکانی پُشتا دیھ او بلاہانی کٹم نشتگ۔ آ دراجگیں، اسپیت ریش اودراج پونزیں مردم اَنت۔ آیانی پونز منی پیرک ءِ پونز ءِ وڑا اِنت۔ پیرک ءَ پونز سک مزن ات۔

منی بازیں جُستانی پسہ ءِ پدا آئی ءَ مدام وتی پونز ءِ سرا لنکک ایر کتگ ات او لگاشتگ ات۔ پیرک ءِ ریش تنک، اسپیت اونرم اتنت گوشئے چو کرپاس ءِ پُکّی۔ من وتی زند ءَ چشیں، جلواہ ناک، زیبا او اسپیتیں رنگ نہ دیستگ ات۔ منی پیرک ڈگ ءَ چہ درستاں برزتریں مردم ات۔ پرچا کہ من ہر کسے گوں آئی ءَ گپ ءَ کہ دیستگ ات گڑا آئی ءَ وتی سر برز کتگ ات او منی پیرک ءَ گوں گپ کتگ ات۔

یکرندے من پیرک درواز گے ءَ پُترگ ءَ دیست کہ سرئے ِجہل نہ کت۔ انچو گمان بوت کہ جو انت چِش ءِ درچکانی تہا چول جنان او روان اِنت۔

منی پیرک برز و لاگریں مردمے ات او منا گوں آئی ءَ مہر اَت۔ من ہر وہد جیڑ اِتگ ات کہ وہدے مزن باں گڑا پیرک ءِ وڑا مزنیں گام جنان او زمین ءَ کشت و کشار کناں۔ من اے گپ ءَ زاناں کہ من، چہ پیرک ءَ کش اتگ او آدگہ نماسگانی تہا اِے بود نیست ات۔ من آیانی بارواہچ نہ گشاں بلے اے گپ ءِ کنگا چِک و پد نباں کہ منی ناکوانی درستیں چُک نابود اتنت۔ ایوکا من اتاں کہ من وتی پیرک ءَ چہ کش اتگ ات او میتگ ءِ اے دگہ مردماں ہم منا ساڑاتگ ات۔ من اے زانتگ ات کہ پیرک چے لوٹیت۔ کجام وہد ءَ من بہ کندان او کجام وہدا بےتوار بہ باں اِے چیزاں من سرپد اتاں۔ من آئی نماز ءِ وہدو پاس یات کتگ اتاں۔ من آئی مسلہ آؤرتگ ات او بے گشگ ءَ من کرو ہم آپ کتگ ات او داتگ ات۔ وپسگ ءِ وہدا من ہر وہد آئی گوراشتان و قرآن ونت۔ گڑا پیرک ءِ دیم ءِ گندگ ءَ چہ انچو سما بوتگ ات کہ آمنی اے کار ءَ چہ گل اِنت۔

یک روچے من پیرک وتی ہمساہگ مسعود ءِ بابتا جُست کُت او گشت۔ پیرک، منا انچو گمان بیت کہ ترا مئے ہمساہگیں مسعود ہچ دوست نہ بیت۔

آئی ءَ مناں پسہ دات۔

ہو مسعود یک نزوریں مردمے او مناں نزوریں مردم دوست نہ بنت۔

من چہ پیرک ءَ جست کُت۔

مسعود چوں نزور اِنت؟

پیرک ئے سر جہل ات۔

کمکیں بےتواری ءَ پد پدا گپ ءَ بوت۔

اِے مزنیں ملک ءَ گندئے!۔۔۔۔ اِے بلاہیں ریگزار ءَ بگرداں دریائے نیل ءَ بروچنچو مزن اِنت۔ اے مچکدگ، اِے سبزہ زار، اے چِش و چنالاں گندئے؟ اِے درست مسعود ئے بوتگاں۔

اِے آئی ءِ میرات

بوتگ۔

پدا پیرک بےتوار بوت او من ہم وتی دیم ترینت و ہما زمین ءِ پٹ و میداناں چارگا بوتاں کہ منی پیرکا آئی باپتا گپ کتگ ات۔ اے مچکدگا چش ءِ درچک کئی اَنت او اے سیاہ آپیں زمین ءِ حدا بُند کئے اِنت؟ من ءَ چکار اِنت؟ ۔من ایوکا ہے سر پد باں کہ اے منی وابانی دنیا انت او وہدے کہ من اشتیک باں گڑا اِے منی اشتکی او منجائی ءَ دگہ رنگے دنت او پدا من تاہیر گراں۔

بلے پیرک پدا گپ ءَ بوت۔ ہو چل سال پیسر اِے میرات وزمین ءِ حدا بند مسعود بوتگ او مروچی اِے زمین ءَ مانیمگی کیں۔ پیرک ءِ اے گپ پہ من نوکیں گپے ات او من پیسرا ہچبر نہ زانتگ کہ اِے زمین پیسرا مئے نہ بوتگ۔ پیرک گپ ءَ ات۔

آ روچی کہ من ادا پاد اِیر کتگ آ وہدءَ من ءَ چنڈے زمین پہ نام ءَ نہ بوتگ۔ اے درست مسعود ءِ یگ اتنت۔ بلئے یک وہدے انچیں اتک کہ ہر چی بدل بوت۔۔۔۔۔۔ بلکیں من ہے سر پد باں کہ مرگ ءَ چہ پیش من اِے دگہ پشکپتگیں زمیناں ہم بہا زوراں۔

نزاناں، باریں پرچا من ءَ چہ پیرک ءِ اے گپاں تُرسے جان ءَ کپت او وتی ہمسا ہگ مسعود ءِ سرا بزگ بوتگ۔ در یگتے پیرک چش مہ کنت۔ مناں انچو گمان بوت کہ ذور مسعود ءِ سوتانی توار انت او برے آ کندیت و برے سوت جنت۔ آئی کندگ انچش اتنت گشئے زاناں کورے ءِ آپ گوں جوشا تچگ ءَ اِنت۔ منی پیرکا ہچبر نہ کندا اتگ ات۔

من پیرک ءَ جُست کُت کہ مسعود ءَ وتی زمین پرچا بہا کتگ اَنت؟

جنین!۔۔۔ پیرک ءِ پسہ ءَ چہ انچو گمان بوت کہ گشئے زاناں آئی دپ ءَ تکے بہ بیت او ایر بُرت ئِے مہ کنت۔۔۔۔۔ او جنین ءِ لبز آئی دپا انچو در اتک کہ منا گمان بوت جنین یک حرابیں چیزے۔

منی خچک۔۔۔ مسعود ءَ بازیں سورو سانگے کتگ۔ ہر وہد کہ آئی ءَ سورے کتگ ات گڑا یک ودوا یکڑ زمین آئی ءَ منی کرا بہا کتگ ات۔

من زوزوت ءَ حساب کُت۔ تہ مسعود ءَ کساس 90 سانگ کتگ۔ آئی ءِ سئے جنینانی عکس منی دیما پدر بوت او مسعود ءِ جند ءِ تنگ دستی او بدحالی ءِ جاور ہم اتک و منی دیما اوشتات اَنت۔ مسعود ءِ درتگیں پچ و پرشگیں بالاد، مسعود چنچو اپتیک ات۔

من ہے باپتا جیڑگ ءَ اتاں کہ انچو مسعود گندگ بوت و آ مئے نیمگا پیداک ات۔ من پیرک چارات و پیرک ءَ مناں۔۔۔۔۔ مسعود اتک و منی پیرک ءَ جست کُت۔ مروچی ما مچانی ہوشاں بُریں۔ تو کائے گوں یا اِناں؟

من انچو مار ات کہ آئی ءِ واہگ انت۔ منی پیرک مئیت۔ بلئے پیرک پاد اتک و آئی چمانی تہا گشئے زاناں چیزے ترپگات۔ آئی ءَ منی دست گپت وگوں مسعود ءَ مچکدگ ءَ رہادگ بوت۔

مچکدگ ءَ مسعود ءَ پہ منی پیرک ءِ نادینگ ءَ کوک ءِ چہڑا ءَ گوں جوڑ بوتگیں کُون چیری یے آورت و آ ہمیشی سرا نشت۔ من اوشتا تگ اتاں۔ اودا مردمانی مُچی ات۔ من اِے درساں پجہ آرگ ءَ اتاں بلے نزاناں پرچا منی چم مسعود ءَ سک اتنت۔ آ چہ مردماں گستا اوشتا تگ ات۔ گشئے زاناں ادا ہر چی بہ بیت آئی ءَ گوں اِے کاراں سر دردی نیست۔ بلئے اِے مچدگ مسعود ءِ یگ ات۔ برے برے او لمبے کپتگ ات گڑا آئی ءِ چم در اتگ اتنت۔ یکرندے یک بچکے اشتاپی ءَ مچ ءَ بالا بوت اوگوں تیزیں ارگ ءَ اولمباں بُرگ ءَ بوت گڑا مسعود ءَ کوکار کُت۔ بچہ چو مکن۔ کہ مچ ءِ دل ءَ ارگ اِیر کپیت۔

بلئے آئی ءِ گپ ءَ کس گوش دار گانہ ات او مچ ءِ سر ءِ بچک گوں جوشا مچ ءِ ہوش و اولمباں بُران ات۔ ناہ و کلونٹ چہ برز ءَ کپان اتنت۔ من مسعود ءِ گوشگیں دانک ءِ سرا حیال کنگ ءَ اتاں۔ مچ ءِ دل۔۔۔۔ منا انچو گمان بوت کہ مچ انچیں ساہدارے کہ آئی ءَ ہم دلے لاپ ءَ اِنت۔ منا یات انت کہ یک رندے من گوں ناہاں لیب کنگا اتاں کہ مسعود ءَ منا دیست وگشت۔ مچ ہم چو انسان ءِ وڑا اَنت۔ برے وش بنت او برے غمگین۔

نہ زاناں پرچا من شرمندگ بوتاں۔ من کہ چم پدا چست کُت انت تہ دیست زہگانی زُ رے، کہ آیانی تہا منی دوست ہم گون اتنت۔ مُچانی بُن ءَ چو مور ءِ وڑا مُچ اتنت او ناہ ورگا اتنت۔

ناہ مُچ اتنت۔ پدا من دیست کہ لہتیں مردم اتک کہ آیاں ناہ سنگ وشا ہیم ءَ پد پاتاں کت انت۔ من سی پات حساب کُت۔ پدا آ درسیں مردم یک یک ءَ پاد اتک و رہادگ بوت انت۔ منی پجہ آرو کانی تہا بس حسین سوداگر او موسیٰ کہ مئے ہمسا ہگ ات پش کپت اَنت۔ موسیٰ ءِ ڈگار مئے ڈگار ءِ رو دراتکی ءَ ات۔ ایشاں اید دگہ دو مردم ہم ہست ات کہ آ ناشناس اتنت۔ انچو من کسانیں سیٹی یے توار اش کُت۔ من چک ترینت تہ منی پیرک انت کہ گانسگا اِنت۔ مسعود ہما وڑا اوشتا تگ ات او آئی ءَ داز کے دپات۔ انچو گمان بوت کہ آئی ءَ ورگ وار تگ ات اولاپ ئِے سیر ات۔ بلے آئی ءِ دپا انگت لُقہ یے پش کپتگ۔ آ اِے زانگ ءَ نہ ات کہ من ہے لُقہ ءَ چے

بہ کناں۔

اناگہ ءَ منی پیرک پاد اتک و ناہانی پاتانی نیمگا شت۔ حسین سوداگر، مئے ہمسا ہگ موسیٰ او آ دوئیں درآمدیں مردم ہم منی پیرک ءِ ہمراہی ءَ شت اَنت۔ من ہم آیانی پُشتا گون اتاں۔ من وتی پیرک ءِ پُشتا اوشتا تگ ات او مسعودا چارگا اتاں۔ من دیست کہ آ گوں وتی پاداں ہاکاں بال دئیان او مئے نیمگا پیداک اِنت گشئے زاناں آئی ءَ کسے پہ زور تیلانک دئیان او آران اِنت۔

درست پاتانی کِرا اوشتات اَنت او آیاں چارگ ءَ اتنت۔ آیاں لہتیں ناہانی دانگ چست کُت ورگا ہم بوت انت۔ منی پیرکا منا ہم چنکے ناہ دات او من ورگا بوتاں۔ من پدا چنکے ناہ زرت و مسعودءَ دات۔ آئیءَ ناہ وتی دپ ءِ نزینکا برت اَنت او پدا داں دیراں بوہ ئِے چت اَنت۔ ناہانی بوہ چنّگ ءَ پد آئیءَ ناہ چگل دات اَنت۔

پدا ناہ بہر و بانگ کنگ بوت انت۔ حسین سوداگرا دہ پات زرت۔ دوئیں درآمداں پنچ، پنچ، مئے ہمسا ہگ موسیٰ ءَ ہم پنچ پات زرت۔ من کہ مسعودءِ نیمگا چار اِت، تہ آئیءِ چم دراتگ اتنت۔ چہ پشلی ءَ سک نگیگ ات او آئی چم چو ہما مشکانی وڑا اتنت کہ وتی کونڈ اِش گار کتگ اونوں اداداو داتچگ ءَیاں۔

منی پیرکا مسعود ءِ نیمگا چار اِت او گُشت ۔۔۔ ہماوام کہ تراپر اَنت۔ آیانی حساب و کتاب ءَ رندءَ کنیں۔

پدا حسین ءَ دو بچک توار کُت او آیاں حر زرت و اتک اَنت۔ آ دوئیں درآمداں پنچ اشتر آورت او پدا ناہاں حر و اشتراں لڈان اتنت۔ حراں چہ یکے سرگ ءَ بوت او اشتراں ہم دِرپگ بندات کُت او گج و کپ بوت اَنت۔ منی دلا گشت کہ مسعود ءِ کِرا برو۔ من مسعود ءِ پشک ءَ گرگی اتاں کہ من آئی دپ ءَ چہ انچیں آوازے اش کُت کہ منی جان ئِے پُٹ پاد اتکاں۔ مسعود ءِ دپا درآ ءَ کیں آواز چو ہما اشتر ءِ گارگ ءَ ات کہ کساب ءَ آئی گردنا کارچے ایر داتگ۔

نہ زاناں پرچا من دل رنج بوتان او تچانی ءَ چہ اوداد را اتکاں۔ ہمے وہدءَ منا پیرک ءَ سراسک بدآ گیگ ءَ اَت۔ من سک تتکاں انچو سما بُوہگ ءَ ات کہ منی سرا بوجے ایر اِنت۔ من جو ءَ شتاں، ہما جاہ ءَ کہ جُو ءَ چش ءِ درچکانی بُن ءَ تاب وارتگ ات۔ ہمودا من اشتاپ اشتا پا وتی لنکلے نُک ءَ راہ دات، ہمانا کہ من وارتگ اتنت۔ درست شانت و در کُت اَنت۔

☆

گل خان نصیر

بَلاں بی سِکّہ لالانی
گلیں ڈیوا شمالانی

تنڑگا شپ تہار ماھیں
دو دیمی ھکّل و ڈاہیں
در و دیرا مڑ و سیاھیں
نہ منزل پاش، نیں راہیں

بَلاں بی سکہ لالانی
گلیں ڈیوا شمالانی

سیاہی پہ گَل و دابیں
کڑی لوغئے دپ ئے تابین
کچکانی گب و گابیں
کروس مس منّہا وابیں

بَلاں بی سکہ لالانی
گلیں ڈیوا شمالانی

تہ او ڈیوا شمالانی
مہ تُس اِنگا جمالانی
تنڑگا سوتکہ حالانی
نہ گوئستہ شپ زوالانی

بَلاں بی سکہ لالانی
گلیں ڈیوا شمالانی

پلیتائی بدل، کشاں
دل ئے بنداں کنانت مان
ترا تیل ئے بدل گیجاں
وثی انڑس و دل ئے ہوناں

بَلاں بی سکہ لالانی
گلیں ڈیوا شمالانی

چہ ہَور و گواث و اچ طوفاں
کناں ساہئے تئ دیپاں
دل و جان و سر و سامان
کناں کلاں تئ قربان

بَلاں بی سکہ لالانی
گلیں ڈیوا شمالانی

بَلاں بی، تاں گُلیں استار
سحارانی، بدنت دیدار
بہ بنت ورنا یلیں بیدار
سراں لیب ءَ کننت سینگار

بَلاں بی سکہ لالانی
گلیں ڈیوا شمالانی

بَلاں بی دیر نہ انت بانگاہ
یلیں نیں بیل بنت ہاغہ
رواں بَنت در کپنت بُنگاہ
چہ دشت و کوہ و بُن جُلگاہ

بَلاں بی سکہ لالانی
گلیں ڈیوا شمالانی

بَلاں بی ، چم شلیت گوں تَو
جگر مِرمِر سُچیت گوں تَو
نصیر ئے دل بلیث گوں تَو
سچیت ، گرے ایث، تپیت گوں تَو

بلاں بی سکہ لالانی
گلیں ڈیوا شمالانی

کرسمس کے وقت

اینٹن چیخوف / عقیلہ منصور جدون

’’ مجھے کیا لکھنا ہے ؟ ‘‘ یگور نے پوچھا، اور اپنا قلم سیاہی میں ڈبویا۔

ویسلیسا پچھلے چار سالوں سے اپنی بیٹی سے نہیں ملی تھی۔ اس کی بیٹی یفیمیا اپنی شادی کے بعد پیٹرز برگ چلی گئی تھی۔ وہاں سے اس نے دو خط لکھے تھے، اس کے بعد سے ایسا لگتا تھا وہ ان کی زندگیوں سے غائب ہوگئی تھی۔ تب سے اس کا کوئی آتا پتا نہیں تھا۔ اور تب سے بوڑھی عورت چاہے سحر کے وقت گائے کا دودھ دوہنے میں مصروف ہو یا چولھا جلا رہی ہو یا رات کو اونگھ رہی ہو کے دماغ میں ایک ہی سوچ رہتی تھی کہ یفیمیا کے ساتھ کیا ہوا ہے، کیا وہ زندہ بھی ہے؟۔ اسے ایک خط تو بھیجنا چاہیے تھا۔ اس کا بوڑھا باپ لکھ نہیں سکتا اور کوئی لکھنے والا میسر نہیں تھا۔

اب کرسمس آ گیا ہے اور ویسلیسا کی برداشت ختم ہو رہی تھی۔ اب وہ سرائے میں یگور کے پاس آئی تھی۔ وہ سرائے کے مالک کی بیوی کا بھائی تھا، وہ جب سے آرمی سے آیا تھا سرائے میں بیٹھا رہتا اور کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ خط اچھی طرح لکھ سکتا تھا بشرطیکہ اسے ٹھیک ٹھاک ادائیگی کی جائے۔ ویسلیسا نے سرائے کے باورچی سے بات کی تھی، پھر گھر کی مالکن سے اور اس کے بعد خود یگور سے۔ ان کا معاملہ پندرہ کو پک پر طے ہوگیا تھا۔

اب چھٹیوں کا دوسرا دن تھا۔ سرائے کے باورچی خانے میں یگور میز پر بیٹھا تھا، ہاتھ میں قلم پکڑ رکھا تھا۔ ویسلیسا اس کے سامنے کھڑی اپنے چہرے پر پریشانی اور دکھ کے تاثرات لیے سوچ رہی تھی۔ پیوٹر، اُس کا خاوند، بہت دبلا پتلا بوڑھا آدمی بھوری گنج کے ساتھ اس کے ساتھ آیا تھا۔ وہ اندھے شخص کی طرح بالکل اپنے سامنے دیکھ رہا تھا۔ چولھے پر دیگچی میں پورک کا ایک ٹکڑا پانی میں پکنے کے لیے رکھا تھا۔ وہ پانی میں اچھل رہا تھا اور آوازیں نکال رہا تھا ایسے لگتا جیسے فلو فلو فلو کہہ رہا ہو۔

’’ میں کیا لکھوں ؟ ‘‘ یگور نے دوبارہ پوچھا۔

’’ کیا ؟ ‘‘ ویسلیسا نے اس کی طرف غصے اور شک سے دیکھا۔ ’’ مجھے پریشان مت کرو ! تم بغیر معاوضے کے کچھ نہیں لکھ رہے، ڈرو مت تمہیں اس کا معاوضہ دیا جائے گا۔ چلو لکھو:

’’ ہمارے پیارے داماد، آندرے ہارسان فچ اور ہماری اکلوتی پیاری بیٹی یفیمیا پیٹرونا، آپ کو ہماری محبت اور تعظیم پہنچے۔ ہم والدین کی دعائیں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہیں‘‘.

’’ لکھ دیا، آگے‘‘

’’ ہم انہیں کرسمس کی مبارک باد دیتے ہیں۔ ہم زندہ اور خیریت سے ہیں۔ اور آپ کے لیے بھی یہی چاہتے ہیں، برائے مہربانی ،خداوند۔۔۔۔۔۔ آسمانی بادشاہ‘‘

ویسلیسا نے سوچا اور بوڑھے کے ساتھ نظروں کا تبادلہ کیا۔

’’ اور میں تمہارے لیے بھی یہی چاہتی ہوں ، یا خداوند۔۔۔۔ آسمانی بادشاہ ‘‘ اس نے دہرایا، اور رونا شروع کر دیا۔

وہ اس سے آگے کچھ بھی نہ بول سکی۔ اور جب رات کو وہ لیٹی جاگ رہی تھی، تو اسے محسوس ہوا کہ جو کچھ وہ کہنا چاہتی ہے وہ درجن بھر خطوط میں بھی نہیں کہہ سکتی۔ جب سے اس کی بیٹی اپنے خاوند کے ساتھ گئی ہے تب سے بہت سارا پانی سمندر میں بہہ چکا تھا۔ بوڑھے لوگوں نے سوگوار زندگی گزاری۔ اور راتیں گہری آہیں بھرتے گزاریں، گویا وہ اپنی بیٹی کو دفنا چکے ہوں۔ گاؤں میں تب سے کتنے ہی واقعات ہوئے، کتنی شادیاں اور کتنی اموات ہوئیں ! سردیاں کتنی لمبی تھیں ! کتنی لمبی راتیں!

’’ بہت گرمی ہے ،‘‘ یگور نے کہا اور اپنی واسکٹ کے بٹن کھول دیے۔ ’’ لگتا ہے ستر ڈگری ہے۔ مزید کیا لکھوں‘‘ اس نے پوچھا۔

دونوں بوڑھے خاموش تھے۔

’’ پیٹرز برگ میں تمہارا داماد کیا کرتا ہے؟‘‘ یگور نے پوچھا۔

’’ میرے اچھے دوست ، وہ سپاہی تھا،‘‘ بوڑھے آدمی نے کمزور سی آواز میں جواب دیا۔ اس نے بھی اس وقت نوکری چھوڑ دی جب تم نے چھوڑی تھی۔ وہ سپاہی تھا اور اب میرا یقین ہے وہ پیٹرز برگ میں ہائیڈروپیتھک کے محکمے میں نوکری کرتا ہے۔ وہاں ڈاکٹر مریضوں کا علاج پانی سے کرتے ہیں، یقیناً‘‘ وہ ڈاکٹر کا گھر مزدور ہے۔‘‘

’’ یہاں لکھا ہوا ہے ،‘‘ بوڑھی عورت نے جیب سے ایک خط نکال کر دکھایا۔ یہ ہمیں یفیمیا نے بھیجا تھا، خدا ہی جانتا ہے کہ کب؟ ہوسکتا ہے وہ اب اس دنیا میں نہ ہوں۔‘‘

یگور نے کچھ دیر سوچنے کے بعد تیزی سے لکھنا شروع کر دیا۔

’’ اس وقت ‘‘— اس نے لکھا، ’’ چونکہ آپ کی تقدیر نے آپ

کوفوجی پیشے کے لیئے مختص کیا تھا، ہمارا آپ کومشورہ ہے کہ آپ جنگی دفتر کے تادیبی جرائم اور بنیادی قوانین کا مطالعہ کریں، ان قوانین میں آپ جنگی دفتر کے اہلکاروں کی تہذیب ملاحظہ کریں گے۔''

وہ لکھتا رہا اور ساتھ ہی جو کچھ لکھ رہا تھا، اونچی آواز میں پڑھتا رہا۔ اس دوران ویسیلیسا کو جو لکھوانا تھا وہ سوچ لیتی۔ پچھلے سال ان کی ضروریات کتنی زیادہ تھیں۔ کیسے ان کی فصل کرسمس سے پہلے ہی ختم ہوگئی۔ کیسے انہیں اپنی گائے بیچنا پڑی۔ وہ رقم مانگنا چاہتی تھی وہ لکھوانا چاہتی تھی کہ بوڑھا باپ عموماً شدید بیمار رہتا ہے اور بہت جلد اپنی روح خدا کے حوالے کر دے گا۔۔۔۔۔لیکن یہ سب وہ الفاظ میں بیان نہیں کرسکتی تھی۔ کیا پہلے لکھوائے اور کیا بعد میں؟

''غور کریں،'' ییگور لکھ رہا تھا، آرمی ریگولیشن سولجر کے والیم پانچ میں درج ہے، پہلے رینک کا سپاہی جنرل ہوتا ہے اور آخری نمبر پرائیویٹ۔۔۔۔۔۔۔۔''

بوڑھے کے ہونٹ ہلے اور اس نے نرمی سے کہا: '' نواسے نواسیوں کو ایک نظر دیکھنا چاہتے ہیں۔''

''کونسے نواسے نواسیاں؟ ''بوڑھی عورت نے پوچھا، اور ناراضگی سے بوڑھے کو دیکھا؛'' شاید کوئی بھی نہ ہو۔''

بالکل، لیکن شاید ہوں ،کون جانتا ہے۔؟''

''اور اس طرح تم فیصلہ کر سکو گے'' ییگور لکھتا رہا،'' کون اندر سے دشمن ہے اور کون باہر سے۔ ہمارے اندر کا سب سے اہم دشمن باخوس ہے'' قلم کاغذ پر لکھتے وقت زور سے چرچراتا ، مچھلی کے کانٹے کی طرح پھیلتا پھولتا رہا۔ ییگور سٹول پر بیٹھا تھا ،اپنے چوڑے پاؤں میز کے نیچے پھیلا رکھے تھے جو خوب صحتمند تھے۔ چہرہ کسی موٹے جانور جیسا اور گردن بیل جیسی تھی . وہ بیہودہ، موٹا، ناقابل تسخیر اور سرائے میں پیدا ہونے اور وہیں پرورش پانے پر مغرور تھا۔ ویسیلیسا اس کی بیہودگی کو سمجھ رہی تھی ،لیکن اس کی الفاظ میں وضاحت نہیں کرسکتی تھی۔ اور صرف ناراضگی اور شک سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کا سر درد کرنے لگا تھا اور اس کی سوچیں ییگور کی آواز ، ناقابل فہم الفاظ ،گرمی اور حبس سے منتشر ہو رہی تھیں۔ وہ نہ تو کچھ بولی اور نہ کچھ سوچا بلکہ محض اس کے قلم گھسیٹنے کے رکنے کا انتظار کرتی رہی۔ لیکن بوڑھا پورے اعتماد سے کھڑا تھا اسے اپنی بوڑھی بیوی پر جو اسے یہاں لائی تھی اور ییگور پر مکمل بھروسہ تھا ،اور جب اس نے ہائڈروپیتھک محکمے کا ذکر کیا تو صاف دکھائی دیتا تھا کہ اسے محکمے اور پانی کی شفایابی کی افادیت پر مکمل یقین تھا۔

خط تحریر کرنے کے بعد ییگور اٹھ کھڑا ہوا اور شروع سے آخر تک انہیں پڑھ کر سنایا۔ بوڑھے کو کچھ سمجھ نہیں آیا لیکن اس نے اعتماد سے سر ہلا دیا۔

'' یہ ٹھیک ہے ،سیدھا سادھا ہے۔۔۔۔'' اس نے کہا۔ خدا تمہیں صحت عطا فرمائے۔ سب ٹھیک ہوگیا''

انہوں نے میز پر پانچ کو پک کے تین سکے رکھے اور سرائے سے باہر نکل گئے۔ بوڑھا بالکل سامنے سیدھا دیکھ رہا تھا جیسے کہ وہ اندھا ہو اور مکمل اعتماد کی کیفیت اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ لیکن جب ویسیلیسا سرا؟ سے باہر نکلی اس نے کتے کی طرف غصے سے اشارہ کیا اور طیش سے بولی،'' او طاعون۔''

بوڑھی عورت ساری رات نہ سوسکی، سوچوں نے اسے پریشان کیے رکھا۔ صبح صبح وہ جاگ پڑی ،اپنی عبادت کی اور خط ڈاک کے حوالے کرنے چل پڑی۔

سٹیشن تک کا راستہ آٹھ سے نو میل کا تھا

2

ڈاکٹر۔

بی۔او موزل ویسر کا ہائیڈروپیتھک ادارہ نئے سال کے دن بھی اسی طرح کام کرتا تھا جس طرح عام دنوں میں۔ صرف اتنا فرق ہوتا کہ ملازم آندرے ہارسانفچ کے یونیفارم کی نئی آرائشی پٹی ہوتی۔ بوٹوں پر فالتو پالش لگی ہوتی اور وہ ہر آنے والے کو'' نیا سال مبارک'' کہہ رہا ہوتا۔

صبح کا وقت تھا آندرے ہارسانفچ دروازے میں کھڑا اخبار پڑھ رہا تھا۔ دس بجے ایک جنرل آیا، جو کہ مستقل ملاقاتی تھا اور اس کے فورا'' بعد ڈاکیا آ گیا۔ آندرے ہارسانفچ نے جنرل کی بڑا کوٹ اتارنے میں مدد کی اور کہا،'' عزت مآب، نیا سال مبارک! ''

'' شکریہ ،میرے اچھے ساتھی: تمہیں بھی مبارک ہو۔''

اور سیڑھیوں کے اوپر پہنچ کر جنرل نے ،دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا

(وہ روزانہ یہی سوال پوچھتا تھا اور ہمیشہ جواب بھول جاتا تھا)

''اس کمرے میں کیا ہے؟ ''

'' عزت مآب ،وہاں مساج روم ہے۔''

جب جنرل کے قدموں کی آواز آنی بند ہوگئی تو آندرے ہارسانفچ نے ڈاک کے لفافے کو دیکھا ،جس پر اسی کا نام لکھا تھا۔ اس نے اسے پھاڑ کر کھولا کچھ فقرے پڑھے ،پھر اخبار کو دیکھتے ہوئے عمومی چال چلتا اپنے کمرے میں گیا، جو نچلی منزل میں راہداری کے اختتام پر تھا۔ اس کی بیوی یفیمیا بستر پر بیٹھی بچے کو دودھ پلا رہی تھی ،ایک اور بچہ ،سب سے بڑا پاس کھڑا تھا۔ اپنا گھنگریالہ سر ماں کے گھٹنے پر رکھا تھا۔ اور تیسرا بستر پر سو رہا تھا۔ کمرے میں داخل ہو کر آندرے نے خط اپنی بیوی کو دیا اور کہا ،'' میرا خیال ہے گاؤں سے آیا ہے۔'' اور پھر اخبار سے نظریں ہٹائے بغیر باہر نکل گیا۔ اس نے یفیمیا کو خط کے پہلے

فقرات کانپتی ،لرزتی آواز میں پڑھتے سنا۔اس نے انہیں پڑھا اور اس سے آگے وہ کچھ نہ پڑھ سکی ،وہی فقرات اس کے لیے کافی تھے۔وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور اپنے سب سے بڑے بچے کو اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے بوسے دیتے ہوئے کہنے لگی---یہ بتانا بہت مشکل ہے کہ وہ اس وقت ہنس رہی تھی یا رو رہی تھی۔

''یہ نانو اور نانا کی طرف سے ہے ،گاؤں سے آیا ہے-----آسمانی ماں ، اولیاء/ مقدس بزرگ اور شہدا! چھتوں کے نیچے برف کے ڈھیر لگ چکے ہیں----درخت اتنے سفید ہیں جتنی سفیدی۔لڑکے برف پر پھسلتے ہیں----اور پیارا گنجا نانا تنور کے اوپر ہے------اور ایک چھوٹا پپلا کتا ہے---میرے اپنے پیارے! ''

آندرے ہارسانچ کو یہ سن کر یاد آیا کہ اس کی بیوی نے تین یا چار مرتبہ اسے خط ڈاک سے گاؤں بھیجنے کے لئے دیے تھے ،لیکن کسی نہ کسی اہم کام کی وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکا ،اور بعد میں خطوط گم ہو گئے۔

'' اور چھوٹے خرگوش کھیتوں میں بھاگتے پھرتے ہیں ،'' یفیمیا ترنم سے پڑھتی رہی ،لڑکے کو چومتے ہوئے آنسو بہاتی رہی۔'' نانا بہت رحمدل اور نرم خو ہے ،نانو بھی بہت اچھی اور مہربان ہے۔وہاں گاؤں میں سب ہمدرد ہیں ،ان سب میں خدا کا خوف ہے-------اور گاؤں میں ایک چھوٹا سا گرجا گھر بھی ہے۔کسان مل کر گاتے ہیں ،جنت کی ملکہ ،مقدس ماں ,محافظ/ defender ہمیں یہاں سے دور لے جاؤ!

آندرے ہارسانچ سگریٹ نوشی کے لیے اپنے کمرے میں واپس آیا۔دروازے پر دستک ہوئی یفیمیا خاموش ہوگئی ,طوفان تھم گیا ۔اس نے آنکھیں پونچھ لیں ،اگرچہ اس کے ہونٹ ابھی بھی تھر تھرا رہے تھے. وہ اس سے بہت خوفزدہ تھی ،اتنی خوفزدہ کہ اس کے قدموں کی آواز ،اس کی آنکھوں میں دیکھنے سے کانپنے لگتی ،اس کی موجودگی میں ایک لفظ بولنے کی جرات نہ کرتی۔

آندرے ہارسانچ نے سگریٹ سلگایا ،لیکن عین اسی وقت اوپر والی منزل سے گھنٹی بجی۔اس نے سگریٹ بجھا دیا ،چہرے پر سنجیدگی لاتے ہوئے بیرونی دروازے کی جانب بڑھا۔جنرل سیڑھیاں اتر رہا تھا۔اپنے غسل سے تروتازہ اور گلابی نظر آ رہا تھا۔ایک دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا،''اس کمرے میں کیا ہے؟ ''

آندرے ہارسانچ نے اپنے ہاتھ تیزی سے اپنی پتلوں کی تہوں پر رکھے اور زور سے بولا،

''چارکوٹ شاور ،عزت مآب!''

نوٹ:

چارکوٹ پاؤں ٹانگوں اور بازوؤں کے عضلات کی بیماری ہے

☆

گل خان نصیر

ملکاں اُرس ءِ مملکت
مس لینن ئے سرداری ءَ

شوں داتگین راہئے سرا
سر گپتہ پہ سس و مڑا

ٹاھینت بہشتے مس جہاں
پاک چہ پُل و لٹ ئے عذاب

میر و امیرانی عتاب
شاہ و وزیرانی غضب

مُزدواریں ظلمئے نوکراں
نام آوریں ٹگ و لُپوس

دلّال و ڈنگاں اچ درءِ
کاتکنت چو بیلاں ہمدلیں

استاد و تجار و حکیم
ملّا و زنڈیں پادری

سرمایہ دارانی دلال
اللہ و عیسیٰ مس دفا

لُچی و ٹھگی مس دلا
درستاں چہ ملکا درکتگ

بُن روتگانش بُرّتگ
پاکیں اُرس ءِ سرزمین

وہار و غریبانی پناہ
دنیا ئے امن ءِ پاسبان

دھکان و مزدوراں یلیں
مس لینن ءِ راہ ءَ سرا

دیما تچان اِنت پہ ہُنر
پہ علم و کار و زانگا

ماہے کہ شانتش برُشکھ دیان
مس آسمانئے پراھیاں

آر تش پہ چر و گردشا
گوڑینگی کلّیں جہاں

تیرہ تالیاں

خالد کنبھار / ننگر چنا

پنجاب میں جو خانہ بدوش قبائل رہتے ہیں، ان آوارہ قبائل کے کام ہمارے (سندھی) خانہ بدوش قبائل سے بھی زیادہ اوٹ پٹانگ اور گئے گذرے ہیں اور پھر اوٹ پٹانگ بھی کچھ اس قسم کے کہ کیا کہنا!؟ ان خانہ بدوش قبائل پر آج تک کوئی قابلِ ذکر کام نہیں ہوسکا ہے اور جو تھوڑا بہت کام ہوا بھی ہے ، وہ کالونیل دور کا ہے۔ لہٰذا اِن قبائل کو سمجھنے جاننے کے لیے اُس زمانہ کے کتابوں کی کھدائی کرنی پڑے گی۔

حالیہ زمانہ میں بھی پنجاب میں اس قسم کے خانہ بدوش قبائل موجود ہیں جو مختلف جنگلی جانوروں کا ابھی تک شکار کرتے ہیں اور اس شکار سے مختلف اشیاء تیار کر کے فروخت کرتے ہیں۔ میں گذشتہ مرتبہ جب روہی کے علاقہ میں جھوک فرید گیا تو وہاں بھی گیا جہاں ایک کریر کے نیچے خواجہ فرید نے جھوک لگائی تھی۔ میں نے وہ جھوک بھی دیکھی۔ وہاں روہی میں پاس ہی خواجہ فرید کا کنواں بھی موجود تھا اور وہ کریر ابھی تک وہاں پایا جاتا ہے، جس کے سائے تلے بیٹھ کر خواجہ فرید نے اپنی خوبصورت محبوبہ کے لیے پیار میں چلہ کاٹا تھا۔ فرید صاحب کی محبوبہ لاڑ قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی۔

اُن دنوں وہاں روہیلے اپنے ثقافتی رقص میں مست ہوکر شاداں وفرحاں ناچ رہے تھے۔ وہاں فرید کیروہی میلہ میں پنجاب کے وہ آوارہ گرد قبائل بھی آئے تھے۔ اِن خانہ بدوش قبائل نے میلہ میں اپنی دوکانیں سجائی تھیں۔ اُن کی دوکانیں بھی بڑی عجیب وغریب تھیں۔ وہاں ہم نے ایک سٹال پر دیکھا کہ مٹی کے تیل والے چولہے پر سانڈوں (گرگٹوں) کا تیل نکالا جارہا تھا، جسے وہیں کھڑے کھڑے بوتلوں میں بھر کر بیچا جارہا تھا۔ انہی مٹی کے تیل والے فانوسوں کی روشنی میں روہی کی ریت پر سینکڑوں گرگٹ پڑے ہوئے تھے جو اِدھر اُدھر رینگ رہے تھے۔ اِس سانڈوں کے تیل والے سٹال پر خفتیوں (شوقینوں) کا بڑا ہجوم تھا۔ یہ تیل کی شیشیاں ہر ایک خرید رہا تھا، کوئی چوری چھپے اپنی پہلو والی جیب میں ڈال لیتا۔ لوگ یہ تیل در اصل مردانہ کمزوری دور کرنے کے لیے مخصوص مردانہ عضو پر لگانے کے لیے خرید رہے تھے۔ جو بھی یہ تیل خریدتا ، اُس کے چہرے پر چھائی مسرت قابلِ دید ہوتی۔ اس میلہ میں یہ تیل بیچنے والے کس قبیلہ کے لوگ تھے ؟ کون تھے؟ کہاں سے آئے تھے؟ اس وقت ہمیں یہ پتہ نہیں چل پایا لیکن بعد میں جب میں نے کالونیل دور کی کتابوں کی ورق گردانی کی تو انہی آوارہ گرد قبائل کا ذکر ملا، جو مختلف جانور پکڑ کر، اُن سے ایسی چیزیں تیار کر کے بطور دوائی فروخت کرتے رہتے ہیں۔

انہی کالونیل دور کی تحریروں میں کنجر قبیلہ کے ساتھ ساتھ پنجاب کے جلاد قبیلہ کا ذکر بھی آتا ہے، جسے جلاد ہی کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ قبیلہ دراصل کنجر قبیلہ کی ذیلی شاخ ہے۔ جلاد قبیلہ بنیادی طور پر جسم فروش قبیلہ ہے۔ جلاد قبیلہ جسم فروشی کے معاملہ میں عجیب وغریب معیار رکھتا تھا۔ یہ قبیلہ اپنے گروہ میں موجود عورتوں کو دو حصوں میں تقسیم کرتا تھا۔ ایک طرف وہ خواتین ہوتی تھیں جن کی کمر اکہری اور لچکدار جبکہ گردن لمبی ہوتی ، جن کی آنکھیں راہرووں کو قابو کر کے انہیں ڈسنے کی صلاحیت سے مالا مال ہوتیں۔ اُن کی چھاتیوں کے کبوتر اُڑنے کے لیے پھڑ پھڑاتے رہتے۔ قبیلہ کے مرد ان حسیناؤں کو ایک طرف کر دیتے۔ دوسری طرف وہ خواتین ہوتیں جو دیکھنے میں خاص جاذبیت نہ رکھتیں، جن کی کمر یا میں بل کھانے کا ہنر نہ ہوتا نہ ہی اُن کی آنکھیں کسی کو نظر سے گھائل کرنے کے پیدائشی فن سے بہرہ ور ہوتیں اور نہ ہی ناز وادا سے کسی کا دل موہ لینے کی جادوگری جانتیں۔ اپنی خواتین کو مذکورہ دو گروہوں میں بانٹ کر اُن میں سے جو شکل وصورت کی سادہ ہوتیں ، اُن سے جلاد قبیلہ کے مرد خود شادیاں رچا لیتے اور جو بے حد حسین اور خوبرو ہوتیں ، اُن کی آنکھ کا اشکارا دیگر مردوں کی آگ بھڑکانے کے لیے میسر ہوتا۔

ان جلادوں کی بھی ایک قسم کی اخلاقیات ہوتی تھی۔ جن خواتین کے ساتھ جلاد مرد خود شادیاں کرتے، اُن عورتوں کے دل و دماغ کے ساتھ ساتھ جسم بھی پر بھی انہی کی حکمرانی ہوتی۔ اُن خواتین کے اجسام کا طواف کسی غیر مرد کی انگلیاں نہ کر پاتیں۔ اسی جلاد قبیلہ کے متعلق کتابیں لکھتی ہیں کہ یہ جلاد قبیلہ ہی تھا جو دلی دربار میں پھانسی گھاٹ پر قیدیوں کو پھانسی لگانے کا کام کرتا تھا۔ انہی جلادوں میں انبالے کے جلاد دربار میں بڑی حیثیت کے حامل تھے۔ یہی جلاد قبیلہ تھا جو دلی دربار میں سزا پر عمل درآمد کرتا اور اس کے ذمہ صرف پھانسی دینے کا کام نہیں تھا بلکہ

اگر کسی کے ہاتھ پیر کاٹنے ہوتے تو یہ کام بھی جلاد ہی کرتے تھے۔ انگریز مصنفین لکھتے ہیں کہ لفظ جلاد بھی جلد سے نکلا ہے، کیوں کہ جلاد اچھوت تھے لیکن کالی ماتا کی پُوجا کرتے تھے۔ دلی اِس قبیلہ کا بڑا مرکز تھا، جہاں سب سے زیادہ جلاد رہتے تھے۔ مگر اس قبیلہ میں یہ ایک عام خباثت پائی جاتی تھی کہ وہ اپنی بیٹیوں تک کی دلالی کرتے یا پھر یہ کہنا چاہیے کہ بیٹی کا دلال باپ ہوتا تھا، دربار کے بعد یہی ان کی سب سے بڑی کمائی تھی۔

اِن کنجروں اور جلادوں کے علاوہ پنجاب میں ایک اور قبیلہ بھی پایا جاتا ہے۔ اِس قبیلہ کے کام بھی جلاد قبیلہ جیسے ہی ہیں۔ اِس قبیلہ کا نام 'پرانا' ہے۔ اس قبیلہ کی خواتین بھی جلاد خواتین کی مانند جسم فروشی کا کام کرتی تھیں۔ مرد پوری پوری رات اُن کے جسم کی ہر ایک روئیں سے رَس چُوستے رہتے تھے۔ وہ جہاں گاہکوں کو اپنی کمر کے بل میں قابو کر کے، آنکھوں کے تیر اور خنجر چلاتیں، وہیں میلوں ٹھیلوں میں بڑی کرتب باز اور مداری بھی تھیں۔ یہ اپنے گلے میں چاقو اور تلوار لٹکا کر کرتب دکھاتی تھیں۔ اِس قبیلہ کی خواتین جب کرتب دکھاتیں تب اُن کے مرد اِن کرتب باز عورتوں کے سامنے ڈھول بجاتے۔ اِدھر مردوں کے ہاتھ ڈھول پر پڑتے اُدھر خواتین کا مداری پن اور رقص شروع ہو جاتا۔ اُن کے بدن کا انگ انگ رقص کرنے لگتا اور پھر اس رقصاں حسن کو دیکھ کر لوگوں کے ٹھٹ لگ جاتے۔

مذکورہ قبیلہ کی خواتین بھی دو گروہوں میں منقسم ہوتیں: ایک طرف وہ عورتیں ہوتیں، جنہیں تیرہ تالیاں کہا جاتا اور دوسری طرف وہ جنہیں بارہ تالیاں پکارا جاتا۔ ان عورتوں پر مذکورہ نام اِس لیے پڑے کہ وہ موسیقی کی تیرہ اور بارہ تالوں پر رقص کرتی تھیں۔ اِن تیرہ اور بارہ تالوں کے متعلق موسیقی کے ماہرین کا کہنا ہے کہ موسیقی میں جو طاق عدد والے تال ہیں، اُن پر گانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ وہ کہتے ہیں کہ طاق عدد والے تال پر رقص کرنا، گانے سے بھی بڑھ کر مشکل ہوتا ہے۔ ہر رقاصہ طاق تال پر ناچ نہیں سکتی، لیکن پرانا قبیلہ کی مذکورہ عورتیں انہی طاق تالوں پر، گلے میں چاقو اور تلوار ڈال کر رقص کر لیتی تھیں۔ ایسا رقص کرنے کے نتیجہ میں یہ رقاصائیں پنجاب بھر میں مشہور تھیں۔ اِن رقاصہ خواتین کے لیے "تیرہ تالیاں" نامی یہ اصطلاح اتنی مقبول ہوئی کہ سندھ کے عام گاؤں گوٹھوں میں بھی عموماً استعمال کی جاتی ہے۔ کوئی عورت اگر گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے لگتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ تو بڑی تیرہ تالی ہے۔ پرانا قبیلہ کے خواتین کے شاخِ انار کی طرح مڑتے نازک بدنوں نے شائقین کے دلوں پر وہ کمند ڈالے کہ بعد میں اس قبیلہ کے مرد بھی رقصِ اجسام میں شامل ہوتے چلے گئے۔ وہ جسم جو رقص پر پیچ وخم کھاتے، اب مردوں کے لمس پر رقصاں ہونے لگے۔ یوں ان عورتوں سے رقص جاتا رہا۔ اِن قبائل نے جنگل چھوڑے، رقص چھوڑے تو اجسام نے بھی پیچ وخم کھانا چھوڑ دیا۔ وہ جسم جو گلے میں چاقو اور تلوار ڈال کر رقص کرتے تھے، اب وہ کسی اور جگہ شوخیاں دکھانے لگے اور آنکھوں کے تیروں اور خنجروں سے گھائل کرنے لگے۔ جسم میں لچک اور بل کھانے کی ادا اور رقص تو وہی تھے، بس صرف انداز اور ادائیں تبدیل ہو گئے۔ یہ خانہ بدوش بعد ازاں خیموں تک محدود ہو گئے۔ موجودہ پنجاب دو حصوں میں تقسیم ہو چکا ہے، لہٰذا مغربی پنجاب میں یہ قبائل پائے جاتے ہیں یا نہیں؟ کچھ معلوم نہیں ہے۔ لیکن اِن قبائل کا ذکر ابھی تک اعداد وشمار کے ساتھ کالونیل دور کی تحریروں میں ضرور ملتا ہے۔ جب اِن صفحات پر آنکھیں پڑتی ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ابھی اسی وقت اِن صفحات سے پرانا قبیلہ کی کوئی عورت نکل آئے گی، جس کے گلے میں چاقو اور تلوار ہوگی، اُس کا شوہر اُس کے آگے ڈھول بجائے گا اور وہ کتاب کے ورق پر ہی رقص کرنا شروع کر دے گی۔ لیکن پتہ نہیں کہ ایسا اب ممکن بھی ہے یا نہیں؟ کیوں کہ آج ہمارے سماج میں کئی ہاتھ اِس رقص کی مخالفت میں اپنے ہاتھوں میں چاقو اور گلے میں تلوار لیے پھرتے ہیں۔

''مادر وطن کے دفاع'' کے لیے سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ اپنی اپنی مادر وطن کی بادشاہت، زمینداروں اور سرمایہ داروں، یعنی اپنے وطن کے بدترین دشمنوں کے خلاف لڑنے کے لیے ہر ممکن انقلابی ذریعہ استعمال کیا جائے۔

یہ خیال بورژوا معاشرے میں رائج تھا اور ہے۔ ''ناسیاسی'' یا ''غیر سیاسی'' تعلیم۔۔۔ یہ بورژوازی کی ریاکاری ہے، یہ عوام کو دھوکہ دینے کے سوا اور کچھ نہیں ہے جن کے 99 فیصدی حصے کی کلیسا اور نجی ملکیت وغیرہ کے ذریعے تذلیل کی جاتی ہے۔ ان سب ملکوں کا بورژوازی جہاں ابھی تک بورژوازی حکمراں ہے عوام کو یہ دھوکہ دے رہا ہے۔ لینن